ابجدِ عشق
مرزا اطہر ضیاء

ابجدِ عشق

مرزا اطہر ضیاء

ترتیب و انتخاب

عزیز نبیلؔ

زیرِ اہتمام

انجمن محبانِ اردو ہند، قطر

(ملحقہ آئی سی سی، سفارت خانۂ ہند برائے قطر)

نام کتاب : ابجدِ عشق
شاعر : مرزا اطہر ضیاؔ
ترتیب وانتخاب : عزیز نبیلؔ
مطبع : کلاسک آرٹ پریس، دہلی
سرورق : اظہار احمد ندیم
ناشر : گرین پیجز، نئی دہلی

Abjade-Ishq
by Mirza Athar Zia
Edited by Aziz Nabeel
Edition : 2017 Price: Rs. 300/-
ISBN : 978-81-932192-3-2

GREEN PAGES
30-A, Bharat Nagar, NFC, New Delhi
Contact: 36/II, Jaipuria Enclave, Kaushambi, Ghaziabad, Uttar Pradesh - 201010 INDIA
Email : greenpagesdelhi@hotmail.com, Ph.: 0120-4318700

مرزا اطہر ضیاء کے

والدین

مرزا ضیاء الدین بیگ، عذرا سلطانہ

اہلیہ

شفقت مرزا

اور

شہزادیاں

عائشہ، آمنہ اور مومنہ

کے نام

اظہارِ تشکّر

آصف اعظمی

محمد مرسلین اصلاحی

سہیم احمد اعظمی

پروفیسر فرتاش سید

قیصر مسعود

آصف شفیع

عبید طاہر

ندیم ماہر

انجمن محبانِ اردو ہند قطر کے تمام ذمہ داران واراکین

وہ تمام شعراء وادباء اور مخلصین جنہوں نے اطہر ضیاء کی شاعری

اور شخصیت پر اپنی آراء سے نوازا

وہ تمام احباب جنہوں نے ابجدِ عشق کی ترتیب وتدوین کے سلسلہ

میں اپنے مشوروں اور دعاؤں سے میرا حوصلہ بڑھایا۔

— عزیز نبیلؔ

من زِلوحِ خاک شستم ابجدِ عشقِ مجاز
شورشِ عشقِ حقیقی ایں جہاں انداختیم

— صائب تبریزی

❖

ہمیں تو خاک بھی ہو کر نہ آئی ابجدِ عشق
سنا ہے چھو کے کبھی آ رہے ہیں سرحدِ عشق

— مرزا اطہر ضیا

مرزا اَطہر ضیاء- زندگی نامہ

مکمل نام	:	مرزا اطہر ضیاء بیگ
تاریخ پیدائش	:	۱۹رفروری ۱۹۸۱ء
مقام پیدائش	:	ابڈیہہ، اعظم گڈھ
والدین	:	مرزا ضیاء الدین بیگ، عذرا سلطانہ
زوجیت	:	شفقت مرزا
اولاد	:	عائشہ، آمنہ، مومنہ
ابتدائی تعلیم	:	مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، اعظم گڈھ
اعلیٰ تعلیم	:	جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی
		جواہر لال نہرو یونیورسٹی، دہلی
قطر میں قیام	:	۲۰۰۹ء تا ۲۰۱۶ء
شاعری کی ابتدا	:	زمانۂ طالب علمی ہی سے
مستقل قیام	:	ابڈیہہ، اعظم گڈھ

فہرست

• • •

اطہر ضیار کی شاعری

ایک جہانِ حیرت کی سیر

— عزیز نبیل

اگر شاعری حیرت کا دوسرا نام ہے تو اطہر ضیار کی شاعری میں حیرت کا ایک مکمل جہاں آباد ہے۔ اُس کی شاعری کا حیرتی رقص ایک سانس لیتی ہوئی زندہ کشش کے گرد ہے جس میں ذات کے بند دروازے پر مسلسل دستک کے نشانات بھی ہیں اور دور سفر پر روانگی کے امکانات کی داستان بھی، صحرا کی ریت میں پرت در پرت جمی وحشتوں کا بیان بھی ہے اور گاؤں کی ہریالیوں میں چھپی ہوئی نرم اور دبیز اپنائیت والی فضا کا ذکر بھی ہے۔ درونِ ذات کی خاموشی اور اس میں گونجتا ہوا آگہی کا شور بھی ہے اور زندہ خوابوں کی جگمگاتی کہکشاں بھی۔ غرض یہ کہ اطہر ضیار کی شاعری سے روشناسی ایک ایسا تازگی بھرا احساس ہے جس کی اپنی بہت سی شکلیں ہیں، آوازیں ہیں، رنگ و روپ اور موسم ہیں۔ اطہر ضیار کے تین اشعار ملاحظہ ہوں ۔

ڈھونڈتا ہے کوئی رستہ مرے آئینے میں
قید اک شخص ہے مجھ سا مرے آئینے میں

کھینچ لے تجھ کو نہ آئینے کے اندر کا طلسم
غور سے دیکھ نہ اتنا مرے آئینے میں

میں ہی آئینۂ دنیا میں چلا آیا ہوں
یا چلی آئی ہے دنیا مرے آئینے میں

اطہر ضیار کا آئینۂ حیات کوئی معمولی آئینہ نہیں ہے اس آئینے میں بے شمار آئینہ خانے آباد ہیں۔ اِس آئینے میں کراں تا کراں پھیلی ہوئی بے چینی اور بے قراری کی کیفیت بنتی اور بگڑتی نظر آتی ہے، اور یہی وہ بے چینی اور بے قراری کی کیفیت ہے جو فراموش کردہ راستوں کی بازیافت کرتی ہے، پیچ در پیچ کھنچی ہوئی دیواروں سے ٹکراتی ہے اور آنے والے موسموں کے استقبال کے لیے بانہیں پسارتی ہے۔

سرسری لوگ گزر جاتے ہیں ہر منظر سے
اور اک میں ہوں کہ پتھرایا کھڑا رہتا ہوں

پھر کسی خواب کی آہٹ ہے مری پلکوں پر
پھر کسی صبح نے بھیجا ہے اجالا مجھ میں

میں اپنے گاؤں لیے بھاگتا پھروں کب تک
کہ شہر بڑھتے چلے آرہے ہیں پیچھے مرے

مسافتیں کئی صدیوں کی طے ہوئیں اس میں
وہ ایک لمحۂ حیرت جو میرے ہاتھ میں تھا

منزلیں اور کسی سمت تھیں میری اطہر
اور میں دوسری سمتوں میں سفر کرتا گیا

ذہن اُس یادگار شام کی آنکھوں سے جالگا ہے جس شام پانچ سال قبل اطہر ضیار سے میری پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے اپنی ایک ڈائری میرے حوالے کی، ڈائری کے صفحات پر خوش خط لکھی ہوئی بہت ساری غزلیں اور نظمیں تھیں، ایک سرسری نظر ڈال کر میں نے جب اطہر ضیار کی طرف دیکھا تو اسے بہت اشتیاق سے اپنی جانب نظریں جمائے ہوئے دیکھا، غالبًا اپنی شاعری پر میرے خیالات کا اندازہ وہ میرے چہرے کے تاثرات سے لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے کہا کہ بھائی آپ کی شاعری جو ابھی میری نظر سے گزری ہے اس کے عقب میں ایک بڑا تخلیق کار اپنی تخلیقی بے پناہی کے ساتھ جلوہ گر ہے، آپ باقاعدہ شاعر ہیں، اچھے شعرار کی شاعری کا خوب مطالعہ کریں، انہیں اپنے حافظے کا حصہ بنائیں اور شعری محفلوں میں تواتر کے ساتھ آیا جایا کریں۔ پھر یوں ہوا کہ اطہر ضیار نے میرے ہمراہ انجمن محبانِ اردو ہند قطر اور قطر کی دیگر تنظیموں کی نشستوں میں شرکت شروع کی اور بہت جلد شاعری کی سچی پرکھ رکھنے والی نظروں نے پہچان لیا کہ اطہر ضیار کی شکل میں دوحہ قطر کے شعری منظر نامے پر ایک روشن ترین ستارے کا اضافہ ہو چکا ہے۔ قطر کی شعری محفلوں کا حصہ بننے والے اس نومشق شاعر کے شعری جوہر نے اچانک ہی پہلو بدلا اور وہ اپنی تخلیقی جولانیوں، روشن ذہانت، فکری سچائی اور تازہ اظہار کی قوت کے ساتھ ممتاز نظر آنے لگا۔ یوں لگتا تھا کہ گویا کوئی بے چین روح اس کی ذات میں سرایت کر گئی ہو اور وہ جلد از جلد اپنے اندر چھپے ہوئے بیش بہا خزانے کو وقت کی جھولی میں ڈال دینا چاہتا ہو۔ گویا کسی لاشعوری احساس کے زیرِ اثر وہ اپنی شاعری کا سارا نور دماغ سے باہر انڈیل دینے کے عمل میں مصروف تھا اور اپنے اندر دور تک پھیلے ہوئے خوبصورت اور نادر خیالات کے

لہلہاتے باغوں کے ایک ایک پھول کو اپنے پورے وجود کی دیانت اور معرفت کے ساتھ تخلیق کیے جا رہا تھا۔

ایک بے چین سا احساس مرے ذہن میں ہے
اس کو الفاظ و معانی کی اجازت دی جائے

سنا تھا مجھ میں خزانہ چھپا ہوا ہے کوئی
سو ختم ہوتا ہوں خود کو ادھیڑتا ہوا میں

زندگی کام لے لے ہم سے کوئی
ہیں ابھی اپنے اختیار میں ہم

اطہر ضیار کی ہمہ رنگ شاعری کے مزید کچھ جگمگاتے رنگ ملاحظہ فرمایئے۔

ایک معمولی سا کردار ملا تھا مجھ کو
پھر بھی انجامِ کہانی پہ اثر ہے میرا

میں تجھے سہل بہت لگتا ہوں
تو کبھی چار قدم چل مجھ میں

اب کہاں ڈھونڈنے جائے گا بیاباں اے دوست
آ مرے سینے سے لگ اور اتر جا مجھ میں

سوکھنے لگتا ہوں میں تجھ سے جدا ہوتے ہی
جب تلک ساتھ رہوں تیرے ہرا رہتا ہوں

میں نے اس کی آنکھیں دیکھیں گہرے کاجل میں
جیسے دو دو چاند کھلے ہوں کالے بادل میں

ہمیں تو خاک بھی ہوکر نہ آئی ابجدِ عشق
سنا ہے چھوکے سبھی آ رہے ہیں سرحدِ عشق

نہ جانے کب انہیں اسٹیج ہونا ہے اطہر
وہ سارے سین جو میرے لیے لکھے ہوئے ہیں

چلتے رہے ہیں زندگی ہم تیری دھوپ چھاوں میں
کچھ دن دکھوں کے شہر میں کچھ دن خوشی کے گاوں میں

اطہر ضیار کی شاعری اپنے قاری کو مسحور بھی کرتی ہے اور مرعوب بھی، یہ وہ شاعری ہے جس کی پیشانی سے حیرتوں کے نئے نئے ستارے طلوع ہوتے ہیں اور قاری کے شعور اور وجدان کو ہم سفر بنالیتے ہیں۔ اُس کی شاعری کے بنیادی عناصر میں جہاں احساس کی خوبصورتی، تخلیقی رمزیت اور گہری پراسراریت شامل ہیں وہیں شدتِ بیان کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ بیان کی ایسی پرکشش شدت جس میں بے باکی بھی ہے، تازگی بھی ہے، فکر کی پوری سچائی بھی ہے، اور گہری مہارت اور فنی دسترس بھی ہے۔ احساس اور جذبے کی بے پناہ شدت اور توانائی اپنی انتہائی شکل میں جابجا موجود ہے۔

اب دوا کام ہی نہیں کرتی
اب تو ہم زہر پینے لگ گئے ہیں

یہ جو بے رنگی نظر آتی ہے
بس یہی رنگ ہمارا ہے میاں

جو میرے سینے میں اک دشت سا ہے پھیلا ہوا
ترے خیالوں کے اس میں ہرن اتار دوں کیا

تو نے تصویر دیکھی ہوگی کوئی
ایسے ہیں تیرے انتظار میں ہم

ہزار راتوں کا زہراب ہے رگوں میں مری
میں ایک رات میں تھوڑی ہرا بھرا ہوا ہوں

بعض اشعار کی کیفیت میں اس قدر دکھ ہے اور شعر کا پس منظر اتنا حزنیہ اور ملال بھرا ہے کہ پڑھنے والے کی آنکھوں میں کب نمی کی ہلکی سے لکیر کھنچ گئی پتہ ہی نہیں چل پاتا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں شاعر اپنی شاعری کی روح میں قاری کو شامل کر لیتا ہے یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ پڑھنے والے کو ذہنی سطح پر اپنی زندگی میں شامل کر لیتا ہے۔ حالانکہ یہ سارا عمل لاشعوری ہوتا ہے، شاعر اپنی داخلی کیفیات میں ڈوب کر شعر کہتا ہے لیکن تخلیق کی قوت اس کیفیت کو پڑھنے والے کا اپنا احساس بنا دیتی ہے۔

سو جتنا رونا ہے رو لو گلے لگا کے مجھے
کہ صبح مجھ کو سفر پر روانہ ہونا ہے

بہت روئے گی یہ لڑکی کسی دن
جو میرے ساتھ ہنس کر چل رہی ہے

اک نیا روپ دیا جائے مری مٹی کو
چاک پر پھر سے رکھا جائے مری مٹی کو

زندگی چھوڑ دیا تجھ کو بھی
یعنی تجھ سے بھی محبت نہیں تھی

گو کہ اطہر ضیار زمانہ طالب علمی سے ہی شاعری کرتے رہے ہیں لیکن اس مجموعے میں جو شاعری شامل ہے اس کا بیشتر حصہ گزشتہ پانچ سالوں کے دوران اطہر ضیار کی فکری اور تخلیقی توانائی کا نتیجہ ہے۔ اس تخلیقی وفور اور ہمہ جہتی میں اطہر ضیار کے شعور، فہم، ادراک، آگہی، خود آگاہی، دور بینی اور مستقبل شناسی کی زرکار شعاعیں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اس کی شاعری میں لاشعور کا اظہار جذبوں کی سطح سے آگے بڑھ کر ادراک کی آگہی کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ وہ آگہی جو ایک شاعر کی اپنی ذات، اپنے جسم اور شعور میں ہوتی ہوئی بڑی تبدیلیوں کے مظہر کے طور پر اس پر نمایاں ہو چکی ہو۔

قامت مری دراز ہے کوتاہ قد ہے تو
اے زندگی میں تجھ پہ برابر نہ آؤں گا

پہن رکھی ہے جو خاک بدن اتار دوں کیا
اے زندگی میں ترا پیرہن اتار دوں کیا

چاک پر رکھ کے ہمیں بھول گیا ہے کوئی
شکل ملنے سے ہی پہلے نہ بکھر جائیں کہیں

دشتِ ہستی سے بگولے کی طرح گزرا ہوں
اپنے پیچھے خس و خاشاک اڑاتا ہوا میں

خود اپنے آپ سے آگے کہیں نکل آیا
میں اب کے بار چلا اس قدر روانی سے

مرزا اطہر ضیاء کی شاعری کا مطالعہ کسی جہانِ حیرت کی سیر سے کم نہیں۔ایک ایسا جہانِ حیرت جس میں ایک ہی وقت میں کئی زمانوں اور کئی منطقوں کا لاشعوری سفر جاری ہے۔ایک ایسا سفر جس میں ماضی کی خوابناک پراسراریت ہے، جدید تر عہد کا تازہ ترین وِژن ہے اور آئندہ روشنیوں کی ہم سفری کا احساس بھی ہے۔ہم سفری کا وہ احساس جو قاری کے ذوق وشوق کو ہر لحہ نئی زمین اور نئے آسمان سے روشناس کراتا ہے۔اس کے تخلیقی الاؤ کا حصہ جو بھی خیال بنا دلآویزی، دلنوازی اور دلپذیری اس کا نصیب ہوا۔اُس کا فن اِس رمز سے بخوبی واقف ہے کہ شاعری سامنے کی چیزوں کا بیان نہیں ہے۔دیوار سے پس دیوار، منظر سے پس منظر، آسماں سے پس آسماں، آئینے سے پس آئینہ، رنگ سے پس رنگ دیکھنے کی قوت اور پھر اس کا فن کے تمام تر لوازمات کے ساتھ اظہار ہی دراصل شاعری ہے۔

کتنے رنگ بدلنے ہیں
آخری رنگ میں آنے تک

کھینچ لے تجھ کو نہ آئینے کے اندر کا طلسم
غور سے دیکھ نہ اتنا مرے آئینے میں

ٹھوکریں مار کے افلاک اڑاتا ہوا میں
آگیا جانے کہاں خاک اڑاتا ہوا میں

چلو کہ ہم بھی ملا دیں اسی میں اپنے چراغ
دیارِ شب میں جو اک آفتاب بن رہا ہے

پھر کوئی شخص اتر آیا ہے ان میں اطہر
پھر مری آنکھوں کی حیرانیاں بڑھنے لگی ہیں

آخری شعر لکھتے ہوئے اطہر ضیا، اپنی شاعری کے عقب سے نکل کر اپنی شخصیت کی تمام تر دلنوازیوں کے ساتھ پھر میرے سامنے آ کھڑا ہوا ہے اور میری آنکھوں کی حیرانیاں بڑھنے لگی ہیں۔ اطہر ضیا، اپنی شخصیت میں اپنی شاعری کی طرح ہی خود اعتماد، بلند حوصلہ، دیدہ زیب، پرکشش، سنجیدہ اور نرم گفتار ہے۔ بظاہر عام سا نظر آنے والا لیکن باطن میں دنیا کی تمام خوبصورتی کو اپنے وجود کا حصہ بنا کر زندہ رکھنے کا خواہش مند، جس کا شعری اضطراب اور جذباتی کرب زندگی کے خوبصورت خوابوں کو اپنی آنکھوں میں سمیٹ لینے کی شدید ترین تمنا رکھتا ہے۔ ایک ایسا شخص جس کے لاشعور کے آئینے میں رائگانی کا دھواں کثیف تر ہوتا جا رہا ہے، جس کے دل میں بہت کچھ کر جانے کی جستجو بھی ہے اور خود پر مکمل اعتماد بھی لیکن وقت کی کمی کا احساس شدت اختیار کر گیا ہے۔

ابھی تو روح کو سیراب کرنا باقی تھا
ابھی تو ٹھیک سے لب بھی نہیں تھے بھیگے مرے

روکے رکھ اپنے فرشتوں کو ذرا دیر ابھی
اول اول مرا دل تیرے جہاں سے لگا ہے

گھٹن سی ہوتی ہے اس کے غبار سے مجھ کو
جو میرے سینے میں آندھی سی اک تھمی ہوئی ہے

جب بنالوں تری دنیا کو میں جنت یارب
تب مجھے نقلِ مکانی کی اجازت دی جائے

اطہر ضیار کی شاعری ذات سے مکالمے کی شاعری ہے، وہ داخلی وارداتوں کا بیان اس انداز میں کرتا ہے کہ شاعری خارجی دنیا کا وسیع تر کینوس بن جاتی ہے۔ وہ اپنی شاعری کے کینوس پر برش تو اپنی تصویر بنانے کے لیے چلاتا ہے لیکن زمانے کے نقش ابھرنے لگتے ہیں۔ اس کے انفرادی زخم تصویر بن کر اجتماعی رنگ اور روشنی کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

بہت سے رنگوں کے چلتے رہے برش مجھ میں
پھر اپنے رنگ میں آتا ہوا چلا گیا میں

مرا برش مرے اپنے لہو میں ڈوبا تھا
تو کینوس پہ ترا درد کیوں ابھرنے لگا

یہ جو بے رنگی نظر آتی ہے
بس یہی رنگ ہمارا ہے میاں

میں کس کو سوچ رہا تھا ابھی تصور میں
ہزار رنگ اتر آئے انگلیوں میں مری

بدن کا سارا لہو انگلیوں سے رسنے لگا
میں آج نقش تمھارے بنانے والا تھا

وہ اپنی ذات کا اعلان کرتے ہوئے اندرونی کیفیات، احساسات و جذبات کی بازیافت کرتا ہے اور انہیں دنیا کے سامنے اس خوبی سے پیش کرتا ہے کہ اس میں زندگی اپنی تمام حسیات کے ساتھ شامل ہو جاتی ہے اور اُس کی شاعری ایک ایسی خود کلامی بن جاتی ہے جو کائنات سے گفتگو کا مظہر ہے۔ اس کی خود کلامی کا حصہ بسا اوقات اس کا ہمزاد اور کبھی بے وفا زندگی ہوتی ہے جس سے دو بدو باتیں کر کے دل کے آئینے پر جمی ہوئی مایوسیوں کی دھول کو صاف کرنے کی سعیِ رائگاں کرتا رہتا ہے۔

جو میرے سینے میں اک دشت سا ہے پھیلا ہوا
ترے خیالوں کے اس میں ہرن اتار دوں کیا

زندگی پاس مرے بیٹھ کبھی
تجھ سے کرنی ہیں ضروری باتیں

یہ جو ہریالی خد وخال میں ہے
زہر نس نس میں اتارا ہے میاں

ترے پیالے میں جاکر نہ ضایع ہو جاؤں
سو پیش و پس میں ہوں خود کو انڈیلتا ہوا میں

کبھی میں قیس ہوں اطہر تو ہوں کبھی فرہاد
مرا ہی ذکر ہے دنیا کی سب کتھاؤں میں

اطہر ضیاء کی پہلی شعری تصنیف ابجدِ عشق کی شاعری اپنے معروضی اور موضوعی حوالوں سے ایسا خوبصورت، خوشگوار اور متوازن تاثر قائم کرنے میں کامیاب ہے جو دیرپا بھی ہے اور دور رس بھی، طویل بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ یہ شاعری دراصل نئے آدم، نئی زمین، نئے استعاروں، نئی علامتوں، نئی خوشبوؤں، نئے رنگوں، نئے مزاجوں، نئے دکھوں اور نئے موسموں کی داستان ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ابجدِ عشق کی شاعری نہ صرف ایک گوشہ نشین اور درویش صفت شاعر کی آمد کا اعلان کرے گی بلکہ اردو شاعری کے روشن مستقبل کا اشاریہ بھی ثابت ہوگی۔

ہزار راتوں پہ پھیلی ہے داستان مری
یہ دل کی بات ہے اور اتنی مختصر نہیں ہے

• • •

ہر نظم گوہری کہ بیادِ او گفتہ اِم

— محمد مرسلین اصلاحی

بسرا:

ابڈیہہ، اعظم گڈھ کے مغرب میں واقع ہے۔ پر پیچ راستوں سے ہوتا ہوا ایک چھوٹا سا گاؤں، سوندھی مٹی، آموں کے باغات، آس پاس سبز کھیتوں کا سلسلہ، تہذیبی روایات کا علمدار، نئی پرانی عمارتوں کی یادگاریں، درس و تدریس کے لئے ایک مدرسہ، مسجد، عیدگاہ، ایک چھوٹا سا بازار، اسی سے ملحقہ معاً بعد خلیل الرحمٰن اعظمی اور اقبال سہیل کا دیار۔ جاگیردارانہ نظام کے تحت جب یہ علاقہ مغلوں کے خاندانی ورثا کے زیر اثر آیا تو انہوں نے چار گاؤں بسائے، مغل آواں، مسلم پٹی، مرزاپور، ابڈیہہ۔ موخر الذکر گاؤں مرزا اطہر ضیار کا وطن مالوف ہے۔ دادا کا نام معین الدین تھا، نہایت سخی، مہمان نواز اور بہادر تھے۔ زمینداری کا زمانہ تھا خاندانی وجاہت ایسی کہ کوئی نام لے کر نہیں پکارتا تھا۔ چھ نرینہ اولادیں چھوڑیں، مرزا اشرف الدین بیگ، مرزا ضیار الدین بیگ، مرزا ناصر الدین، مرزا مشرف بیگ جن میں سے دو وفات پا چکے ہیں۔ مرزا ممتاز بیگ مرزا پور اطہر کے نانا تھے، انہیں کے صاحبزادے مرزا طارق بیگ کی صاحبزادی سے اطہر ضیار منسوب ہیں۔

مرزا کے والد بزرگوار ڈاکٹر ضیار الدین بیگ نہایت مخلص، اخلاق مند، متمول مزاج، کم گو اور مطالعہ کے شوقین شخص ہیں۔ آپ کے کل چھ بیٹے اور بیٹیاں ہیں، چار بیٹیاں اور دو بیٹے مرزا انور ضیار بیگ اور مرزا اطہر ضیار بیگ، اطہر ضیار بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹے ہیں۔

مرزا اطہر ضیار نے ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں داخلہ لیا اور ۲۰۰۱ء میں سند فضیلت حاصل کی۔ اس کے بعد جامعہ ملیہ اسلامیہ اور جواہر لال نہرو یونیورسٹی سے اعلیٰ تعلیم کی ڈگریاں حاصل کیں۔ معاشی حالات دگرگوں تھے، تلاش معاش کے لئے قطر کا سفر کیا اور ایک کمپنی میں ایچ آر کی حیثیت سے مسلسل دس سال خدمات انجام دیں، شادی ہوئی تین بچیوں سے خدا نے نوازا۔ پچھلے دنوں برین ٹیومر کا عارضہ لاحق ہوا۔ علاج معالجے کی غرض سے قطر سے ممبئی آئے ہنوز بستر علالت پر ہیں۔ اور سنگین مراحل سے گزر رہے ہیں۔

سُمر :

اطہر ضیار طبعاً بہت اعلی ادبی ذوق رکھتے ہیں زمانہ طالب علمی ہی سے شعر کہنے لگے تھے، قطر میں بھی مختلف ادبی اور علمی شخصیات سے وابستگی رہی۔ ادبی محفلوں اور مشاعروں میں شریک ہوتے شعر پڑھتے۔ عزیز نبیل سے گہرے مراسم ہیں۔ مرزا کی انفرادیت یہ ہے کہ ان کے شعروں کا کردار خود ان کی اپنی ذات ہے، وہ مافی الضمیر کی ادائیگی کو ہی شعر کی اصل قرار دیتے ہیں۔ انداز شگفتہ سلیس اور سادہ، واردات قلبی ان کی فکر ہے اور عرفان ذات نفس کی آماجگاہ ہے۔ ابتدائی دور کی شاعری کے چند نمونے حاضرِ خدمت ہیں۔

ننگی شاخیں کب سے چپ ہیں   چھیڑ دو آکر سوز بہاراں

سناٹے سے ڈر لگتا ہے — آنے کو ہے کوئی طوفان
شہر کے رستے جگمگ جگمگ — گاؤں کی گلیاں شہر خموشاں
اپنی عمر بھی یونہی گزری — کچھ غمِ دوراں، کچھ غمِ جاناں

.....

جو سن لے مستقل وہ سننا چاہے — تری آواز میں جادو بہت ہے
تمھیں آ جائے دنیا بھر کی بولی — ہمارے واسطے اردو بہت ہیں
ہمارے ذہن کے صحرا میں اطہر — کسی کی یاد کا آہو بہت ہے

.....

مجھ کو جینے نہیں دیتا ہے تغافل تیرا
مجھ کو مرنے نہیں دیتی ہے محبت تیری

.....

دل کش و دل نشین لگتی ہے — آسماں سی زمین لگتی ہے
جب سے دیکھا ہے میں نے آئینہ — مجھ کو دنیا حسین لگتی ہے

.....

راستوں میں سراب جلتے ہیں — اور آنکھوں میں خواب جلتے ہیں
تیرے چہرے کی جاذبیت سے — باغ کے سب گلاب جلتے ہیں
ان چراغوں پہ دھیان دو اطہر — جو ابھی کچھ خراب جلتے ہیں

یوں تو یہ اشعار دورِ طالب علمی کے ہیں لیکن جب اطہر کا شعری ذوق وشوق پروان چڑھا تو مزید فکر میں جولانی پیدا ہوئی اور شعر کہنے شروع کیے۔ غزل کے کوچہ میں قدم رکھا، نظمیں کہیں، ہائیکو، سانیٹ، دوہے، واسوخت اور رباعیاں قابل ذکر ہیں ان تمام صنفوں میں طبع آزمائی کے باوجود کبھی کسی کی نقالی نہ کی۔ وہ خالص فن کے پرستار

ہیں۔ دوستوں کے بار بار اصرار کے باوجود بھی طبع وطباعت کی طرف راجع نہ ہوئے۔

طبیعت میں جدت پسندی تھی چنانچہ غزلیات کے باب میں روایتی انداز نہیں اپنا یا۔ کہتے! آج کی تہذیبی روایت کی شاعری میں تمثیل پیدا کی جائے تا کہ آج کا تخلیق ہونے والا ادب کل اپنے تہذیبی اعلامیے کا علمدار ہو۔ شاعری میں ہنگامہ آرائی اور بے جا شور وغل والے لہجے سے اجتناب کرتے۔ صداقت اور سچائی کے قائل تھے۔ کہتے کہ زبان کی ترویج میں عام روش سے ہٹ کر نئے تجربوں کی بنیاد رکھنا بہت اہم کام ضرور ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہ نہیں کہ ماضی مرحوم کے محل سے ہر اینٹ کھینچ لی جائے بلکہ یہ ہونا چاہیے کہ ان اینٹوں کو زیادہ شفاف اور چمکدار بنا کر نمایاں مقام پر آویزاں کر دیا جائے۔ مرزا اس کا برملا اظہار کرتے ہیں:

کچھ نیا ہے تو سناتے جاؤ
ورنہ یہ ساز اٹھاتے جاؤ

مرا برش مرے اپنے لہو میں ڈوبا تھا
تو کینوس پہ ترا درد کیوں ابھرنے لگا

مرزا کہتے کہ غزل میں تجربات وکفیات کا بیانیہ چونکہ عمومی ہوتا ہے اس لئے اگر ہر نیا آنے والا ان کیفیتوں کو نیا بنا دے، عمومیت میں خصوصیت کا رنگ پیدا کر دے اور اجتماعی محسوسات کو انفرادیت کا رنگ دے دے تو یہی اس کے فن کی معراج ہے۔ وہ کہتے کہ داخلی امور کے بالمقابلے خارجیت میں توانا شاعری کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں چنانچہ خارجی مشاہدات، مطالعات اور تجربات سے داخلی کیفیتوں کو اس طرح بیان کرنا کہ وہ اپنی سرگزشت معلوم ہونے لگیں تو شاعری سانس لینے لگتی ہے۔ مرزا کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں

ہزاروں راتوں کا زہراب ہے رگوں میں مری
میں ایک میں تھوڑی ہرا بھرا ہوا ہوں

اسی پہ فصل کھڑی ہوگی اک صداؤں کی
میں جس زمین میں خاموشی بو رہا ہوں ابھی

مرزا کی شاعری میں جن اساتذہ کا رنگ قدرے شوخ ہو کر منتقل ہوا، ان میں میر، سودا، آتش، اقبال، فانی، جگر، فراق، اور اسرار الحق مجاز تھے۔ نئے شاعروں میں ناصر کاظمی، جون ایلیا، افتخار عارف، عرفان صدیقی، عزیز نبیل سے متاثر ہیں۔ جنہوں نے اپنے شعروں میں مہتابی روشنی پیدا کی۔ انہوں نے کبھی بھی کسی کے آگے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا یعنی کسی سے زبان و بیان اور شاعری پر اصلاح نہ لی۔ خود ان کی زبانی ''ہاں اتنا ضرور ہے کہ جو بھی شاعر مخلص ملا اس سے اظہار خیال کر لیا۔ نقائص کو بلا تامل قبول کیا اور اصلاح کی کڑیاں ڈھونڈ لیں''۔

حقیقت یہ ہے کہ خود شاعر سے بڑا کوئی نقاد نہیں۔ مرزا کا کلام جتنا ثابت ہے اس سے زیادہ کہیں انھوں نے ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔ وہ زبان کے معاملے میں سخت گیر ہیں اور کشادہ ذہن بھی۔ جہاں میرے انداز بیان کی تعریف کرتے ہیں وہیں غالب کی مشکلاتِ زبان پر چیں بہ جبیں ہیں لیکن غالب کے مقام و مرتبہ کو کسی سے کم نہیں سمجھتے۔ شعر میں برمحل الفاظ اور تلازمے کی صحت پر نقد کرتے اور کہتے ہیں کہ بناوٹی شاعری اس وہم کی بنیاد ہوتی ہے جس کے ذریعہ کچھ طبیعتوں کو تو زیر اثر لایا جا سکتا ہے لیکن دور رس اثرات مرتب نہیں کئے جا سکتے۔

پرانے قلم کاروں میں خلیل الرحمٰن اعظمی کی کتاب مقدمہ کلامِ آتش، مولانا شبلی نعمانی کی شعر العجم، منٹو کے افسانے، پریم کی کہانیوں، دیوان سنگھ مفتون اور نیاز فتح

کی تحریروں، مولانا ابو الکلام آزاد کی غبارِ خاطر کا ذکر کرتے۔ مرزا کی اکثر تاثراتی تحریریں میرے پاس ہیں۔ مرزا کی معیت میں ہم نے اوزان، قوافی کے استعمالات، زبان کی صحت، شعر کی ترسیلی حیثیت جدید و قدیم طرز شاعری پر اظہار خیال، کافی کچھ سیکھا۔ شعر و شاعری کے تعلق سے ان کی لگن میں اتنا بلند ذوق اور اتنا مضبوط حافظہ میں نے نہ پایا۔ شعر سے زیادہ مجھے نثر پر ابھارتے ہیں، مطالعہ کی تلقین اور دورِ جدید کے ادب سے واقفیت کا مشورہ دیتے ہیں۔ قدیم شعراء کے کلام پر نظر غائر رکھنے کی بھی تاکید کرتے ہیں اور تائیداً کچھ کلام اور تنقیدی مباحث ارسال کرتے ہیں۔ بایں ہمہ ان کی شاعری کے کچھ نمونے حاضر خدمت ہیں ۔

ہمیں تراشا گیا جس قدر بھی اے اطہر
ہماری شاخوں پہ اتنے ہی برگ و بار آئے

بہت سی آنکھیں مری راہ دیکھتی ہوں گی
میں ایک خواب ہوں تعبیر بو رہا ہوں ابھی

کس سمت سے آئے تھے سرِ دشتِ تمنا
اب لوٹ کے جانا ہے تو کچھ یاد نہیں ہے

ہمارا سایہ ہمارے ہی قد میں رہتا ہے
وگرنہ کون یہاں اپنی حد میں رہتا ہے

نہ جانے کتنے پرندوں کے چھت کی چھتری ہے
وہ بوڑھا پیڑ جو بارش کی زد میں رہتا ہے

بالکنی سے کیا نظارہ بارش کا
آؤ ہم تم چھت پر چل کر بھیگتے ہیں

ایک محشر ہے جسے تھام رکھا ہے دل میں
اک قیامت ہے کہ جس کو ابھی ٹالے ہوئے ہیں

کون کھٹکھٹاتا ہے بار بار دروازہ
کون دستکیں دے کر پیچھے لوٹ جاتا ہے

ایک اور عمر دے مجھے جینے کے واسطے
تونے جو عمر دی تھی وہ مرنے میں لگ گئی

ابھی ہیں لوح میں محفوظ سب صحیفے مرے
کھلے ہیں مجھ پہ بھی اب تک کہاں دریچے مرے

بتا ہم اور کتنے دائروں میں منقسم ہوں
بتا تقسیم کا یہ مرحلہ کب ختم ہوگا

بیچ میں چھوڑ کے چل دیتے ہیں کردار سبھی
داستاں میری مکمل نہیں ہونے پاتی

سراپا:

گندمی رنگ، لانبا قد، چھریرا بدن، روشن چہرہ، خوش مزاج، خوش گو، حافظہ قوی، آنکھوں میں کئی خواب، اور خوابوں کی تعبیر ڈھونڈتی آنکھیں، انتہائی شریف،

خوددار، چال میں عاجزی، شاعرانہ لب ولہجہ، پسند و ناپسند دونوں شدید، متانت و انکساری، صورت سے ترشح ہوتا کہ دھوکہ کھا سکتا ہے دھوکہ دے نہیں سکتا، باتیں سیدھی سادی، اعلیٰ ذوق، قدیم وجدید شعراء کے کلام پر گہری نظر۔ شاید ہی کوئی ایسا اہم شاعر ہو جس کے تیر ونشتر نہ معلوم ہوں، مستقل مزاج، مسلم امہ کے مسائل سے دلچسپی، سیاسی افکار میں سیکولر پارٹیوں کی حمایت، عدل وانصاف، راست گوئی، دوستوں سے حد درجہ لگاؤ، اعترافِ خطا، احساسِ ذمہ داری، صلہ رحمی جیسے اوصاف مرزا کے خصائص ذات تھے۔

مرزا میرے عزیز دوست اور ہم سبق رہے ہیں۔ ان سے میرا والہانہ لگاؤ تھا۔ شروع شروع میں ہم بک اسٹال سے دو روپے کے کرایہ پر کامکس بکس لاکر پڑھتے، آرٹ اور خطاطی سیکھتے۔ مرزا بڑے کمال کی تصویریں اتارتے تھے کہ حیرت میں ڈال دیتے ان کے اِس ہنر کا اعتراف تمام ہی دوست احباب کرتے ہیں۔ شعور بڑھا تو باقاعدہ لائبریری جانے لگے گھنٹوں کتابیں دیکھتے، کتابوں کا اجرا کرایا، پڑھنے کا کوئی خاص معمول نہیں تھا البتہ کتابیں ضرور لاتے چند صفحے پڑھتے کچھ سمجھ میں آتا کچھ نہیں آتا، بسا اوقات متعلقہ مضمون پر مذاکرہ ہوتا، تلخیصات پیش کی جاتیں۔

ہم مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں منتہی درجہ کے طالب علم تھے مولانا ابوالکلام کے ہلال کی فائلیں مطلوب تھیں، مشکل امر تھا ہم نے اس بابت کئی مطابع کو لکھا۔ بالآخر دہلی کے ایک مکتبہ سے بذریعہ وی پی ارسال کیں۔ جیب میں پھوٹی کوڑی نہیں اس وقت جو خرچ ملتا مدرسہ کی ضروریات میں صرف ہو جاتا۔ ہم نے جو تھوڑا تھوڑا پس انداز کیا تھا اس سے وی پی چھڑائی۔ مرزا بہت خوش تھے ہم ساتھ میں ان کے گھر گئے فائلیں اُلٹ پلٹ کر دیکھیں جیسے ذہنی غذا کی تکمیل ہو گئی ہو۔

خدا نے مرزا کو وہ ذوق بخشا کہ وہ فطرت کے رنگین نظاروں کو اپنے شعری نوشتوں میں بڑے طمطراق سے لا پاتا، گنگناتا اور قدرت کی بنائی ہوئی اس عظیم رنگا

رنگ کائنات کے مناظر سے محظوظ ہوتا۔ کھیتوں کی ہریالی سے گمشدہ محبتوں کا پتہ پوچھتا، گیت تراشتا۔ جیسے ایکا ایکی لہروں کھرج کی لئے بلند ہوتی ہے اور موج پنچم بن جاتی ہے۔ جیسے مہیوال چناب کے اس پار کھڑا عشق کا ساز اٹھا رہا ہے اور سوہنی کہہ رہی ہے کہ میں ضرور جاؤں گی مہیوال میرا انتظار کر رہا ہے وہ دریا کی خشمگیں موجوں میں حسن ہی نہیں آبرو لئے اُڑی جا رہی ہے اور گھڑا جو اس کا ہمسفر ہے یکا یک طوفانی لہریں گھڑے کے کان میں کہتی ہیں او مٹیار! رک جا گھڑا گلنے لگتا ہے اور کہتا ہے میں اپنے خالق سے دغا نہیں کروں گا، مہیوال کا پرایا ہاتھ سوہنی کو چھو نہیں سکے گا۔ گھڑا پگھلتا ہے اور پگھلتا چلا جاتا ہے۔ سوہنی اس کے ساتھ ڈوب جاتی ہے۔ موجیں مہیوال سے کہتی ہیں جا! وفا کے گیت تراش۔ شاعر سو جاتا ہے اور اس کے گیت سروں کی دھنک میں ایک عجیب سی آواز پیدا کر دیتے ہیں اور لہروں کی زنجیریں توڑ کر آزاد ہو جاتے ہیں۔ ذہن سوچتا ہے کہ وہ۔۔۔۔۔۔ مہیوال تھا یا شاعر!

ہو دَورِ جامِ صحبت یاران زندہ دل
کچھ ہے اگر مزہ تو یہی زندگی میں ہے

• • •

❖

مجھ کو اب اندھیرے سے لگ رہا ہے ڈر مولا
راستے میں جنگل ہے اور دور گھر مولا

اجڑی اجڑی آنکھوں کو آنسوؤں کے گوہر دے
سیپیوں کے دامن کو موتیوں سے بھر مولا

راستے مرے گھر سے سیکڑوں نکلتے ہیں
تو ہی رہنمائی کر جاؤں میں کدھر مولا

رکھ دے میرے ہونٹوں پر حرف کچھ دعاؤں کے
ہاتھ بھی اٹھے ہیں اور آنکھ بھی ہے تر مولا

❖

ڈھونڈتا ہے کوئی رستہ مرے آئینے میں
قید اک شخص ہے مجھ سا مرے آئینے میں

کھینچ لے تجھ کو نہ آئینے کے اندر کا طلسم
غور سے دیکھ نہ اتنا مرے آئینے میں

میں ہی آئینۂ دنیا میں چلا آیا ہوں
یا چلی آئی ہے دنیا مرے آئینے میں

روبرو ہوتا ہے اک شخص کوئی مجھ جیسا
میں اکیلا نہیں ہوتا مرے آئینے میں

❖

کوئی دیوار یہاں پر ہے نہ در، دشت نورد
ہے عبث ڈھونڈھنا صحراؤں میں گھر دشت نورد

رشک سے دیکھ رہا ہے تجھے سارا صحرا
کس کا سودائی ہے جانا ہے کدھر دشت نورد

تجھ کو راس آئے گا یہ شہر نہ اس شہر کے لوگ
باندھ لے آج کی شب رختِ سفر دشت نورد

لطف وحشت کا، مزا چاک گریبانی کا
کب سمجھتا ہے اسے کوئی مگر دشت نورد

پیاس مارے گی سرابوں پہ سراب آئیں گے
اپنے مشکیزے کو بہتر ہے کہ بھر دشت نورد

ان بگولوں کے تعاقب کا نہیں کچھ حاصل
سوچ کر دشت تمنا میں اتر دشت نورد

دیکھ کیا دشت نوردی نے ترا حال کیا
اب مناسب ہے سمندر کا سفر دشت نورد

❖

دی بھی اگر صدائے مکرر نہ آؤں گا
اس بار میں گیا تو پلٹ کر نہ آؤں گا

قامت مری دراز ہے کوتاہ قد ہے تو
اے زندگی میں تجھ پہ برابر نہ آؤں گا

دیوار و در نے بارِ دگر کھینچ ہی لیا
سوچا تھا لوٹ کر میں کبھی گھر نہ آؤں گا

خود کو لٹا رہوں ہوں یہی سوچ کر ابھی
پھر اس کے بعد خود کو میسر نہ آؤں گا

❖

وقت صحرا میں گزارا ہے میاں
اِس طرح خود کو سنوارا ہے میاں

یہ جو بے رنگی نظر آتی ہے
بس یہی رنگ ہمارا ہے میاں

سارے گرداب وہیں پر نکلے
جس کو کہتے تھے کنارا ہے میاں

یہ جو ہریالی خد وخال میں ہے
زہر نس نس میں اتارا ہے میاں

اونچی ہونے لگی محفل کی صدا
اب یہ اٹھنے کا اشارا ہے میاں

❖

سنبھالا جاتا نہیں مجھ سے اب عذاب کا بوجھ
اٹھا کے پھینک دوں پلکوں سے کیوں نہ خواب کا بوجھ

ابھی ہوں الجھا ہوا امجدِ محبت میں
نہ رکھّو مجھ پہ کسی دوسری کتاب کا بوجھ

سوال رکھ تو دیے تو نے میرے کاندھے پر
اٹھا سکے گا مگر کیا مرے جواب کا بوجھ

دکھائی دے کوئی دریا بھی اب ان آنکھوں کو
اٹھائے پھرتی ہیں جو مستقل سراب کا بوجھ

❖

خود اپنے قتل کا الزام ڈھو رہا ہوں ابھی
میں اپنی لاش پہ سر رکھ کے رو رہا ہوں ابھی

اسی پہ فصل کھڑی ہوگی اک صداؤں کی
میں جس زمین پہ خاموشی بو رہا ہوں ابھی

کہو کہ دشت ابھی تھوڑا انتظار کرے
میں اپنے پاؤں ندی میں بھگو رہا ہوں ابھی

میں تجھ کو پھینک بھی سکتا تھا زندگی لیکن
کسی امید پہ یہ بوجھ ڈھو رہا ہوں ابھی

بہت سی آنکھیں مری راہ دیکھتی ہوں گی
میں ایک خواب ہوں تعبیر ہو رہا ہوں ابھی

❖

تمام گلیوں میں ماتم بپا تھا جنگل کا
یہاں ضرور کوئی سلسلہ تھا جنگل کا

لکھی تھیں وحشتیں صحرا کی میری آنکھوں میں
کتابِ دل میں ورق کھل رہا تھا جنگل کا

ہمارے شہر میں اب روز روز ہوتا ہے
وہ حادثہ جو کبھی حادثہ تھا جنگل کا

وہ اس طرف کی پہاڑی پہ بیٹھے جھرنے تھے
پہ درمیان میں رستہ گھنا تھا جنگل کا

مجھ ایک شہر میں ایسا بھی تھا اداس کوئی
پتہ جو مجھ سے سدا پوچھتا تھا جنگل کا

جہاں پہ ختم تھی انسانیت کی حد اطہر
وہاں پہ دیکھا تو اک راستہ تھا جنگل کا

❖

یوں اپنی رات سجاتا ہوا چلا گیا میں
کسی کو دھیان میں لاتا ہوا چلا گیا میں

کچھ اس طرح سے اڑی ہے مرے وجود کی گرد
کہ کہکشاں سی بناتا ہوا چلا گیا میں

فلک سے تا بہ زمیں پھر زمیں سے تا بہ فلک
غبار اپنا اڑاتا ہوا چلا گیا میں

بہت سے رنگوں کے چلتے رہے برش مجھ میں
پھر اپنے رنگ میں آتا ہوا چلا گیا میں

بکھر رہی تھی کسی یاد کی دھنک اطہر
غزل میں رنگ ملاتا ہوا چلا گیا میں

❖

ہمارا سایہ ہمارے ہی قد میں رہتا ہے
وگرنہ کون یہاں اپنی حد میں رہتا ہے

یہ کس کا عکس چمکتا ہے میرے دریا میں
یہ کون ہے جو مرے جزر و مد میں رہتا ہے

نہ جانے کتنے پرندوں کے سر کی چھتری ہے
وہ بوڑھا پیڑ جو بارش کی زد میں رہتا ہے

یہ کس کی خوشبو سے مہکا ہوا ہے میرا وجود
یہ کون ہے جو مرے خال و خد میں رہتا ہے

میں کس طرح تجھے قائل کروں دلیلوں سے
کہ لفظ لفظ ترا ردّ و قد میں رہتا ہے

❖

طرح طرح کے نظارے بنانے والا تھا
وہ میری خاک سے تارے بنانے والا تھا

وہ کیسے ڈوب گیا لے کے زندگی کا جہاز
وہ آدمی تو کنارے بنانے والا تھا

بدن کا سارا لہو انگلیوں سے رسنے لگا
میں آج نقش تمھارے بنانے والا تھا

اس آدمی کو اندھیرے نگل گئے اطہر
جو روشنی کے منارے بنانے والا تھا

❖

ابھی ہیں لوح میں محفوظ سب صحیفے مرے
کھلے ہیں مجھ پہ بھی اب تک کہاں دریچے مرے

ابھی تو روح کو سیراب کرنا باقی تھا
ابھی تو ٹھیک سے لب بھی نہیں تھے بھیگے مرے

ضرور مجھ سے کوئی کام پڑ گیا اس کو
وہ پڑھ رہا ہے بہت آج کل قصیدے مرے

میں اپنے گاوں لیے بھاگتا پھروں کب تک
کہ شہر بڑھتے چلے آرہے ہیں پیچھے مرے

بہت قریب سے آؤں گا میں نظر اطہر
گھرے ہوئے ہیں بہت دھند میں جزیرے مرے

❖

راستہ روکے ہوئے اپنا کھڑا رہتا ہوں
اپنی ہی راہ کی دیوار بنا رہتا ہوں

سوکھنے لگتا ہوں میں تجھ سے جدا ہوتے ہی
جب تلک ساتھ رہوں تیرے ہرا رہتا ہوں

سرسری لوگ گزر جاتے ہیں ہر منظر سے
اور اک میں ہوں کہ پتھرایا کھڑا رہتا ہوں

مجھ میں تھوڑی سی جگہ بھی نہیں نفرت کے لیے
میں تو ہر وقت محبت سے بھرا رہتا ہوں

جیسے پھولوں کا بغیچہ ہو مرے شانوں پر
اس طرح میں تری یادوں سے لدا رہتا ہوں

میں نے کنڈی ہی لگائی نہیں خود میں اطہر
میں ہوں دروازہ محبت کا کھلا رہتا ہوں

سانجھ ڈھلے

سانجھ ڈھلے جب اتر رہی تھی دیواروں سے دھوپ
میں نے بنتے مٹتے دیکھے جیون کے کچھ روپ

سانجھ ڈھلے جب لوٹ رہے ہیں پنچھی اپنی ٹھور
ہم رستے میں سوچ رہے ہیں جائیں کون سی اور

سانجھ ڈھلے ہم جب گھر لوٹے لے کر من پر چوٹ
اس نے خالی ہاتھ پہ رکھے پھولوں جیسے ہونٹ

سانجھ ڈھلے آکاش پہ جب چھائی تھی گھٹا گھنگھور
من کی کٹیا میں گھس آیا چپکے سے اک چور

سانجھ ڈھلے لمبی ہوتی ہے جب رستوں پر چھاؤں
دھیان میں آجاتا ہے کوئی بھولا بسرا گاؤں

سانجھ ڈھلے جب پھیلے لالی افق پہ چاروں اور
میرے نینوں میں بھر جائے دریاؤں کا شور

سانجھ ڈھلے جب پھیل رہی تھی ایک بھیانک رات
روشنیوں کی اک دیوی نے تھامے میرے ہات

سانجھ ڈھلے جب بستی کے ہر گھر میں دیپ جلے
اطہر ہم کچھ خوابوں کے رستوں پر چل نکلے

❖

خود سے اے یار جوڑ لے مجھ کو
جانے والا ہوں موڑ لے مجھ کو

میں پس انداز کی کمائی تری
جب ضرورت ہو پھوڑ لے مجھ کو

بھر گیا ہوں بہت محبت سے
تو بھی تھوڑا نچوڑ لے مجھ کو

اب میں اچھی طرح سے پک چکا ہوں
شاخِ ہجراں سے توڑ لے مجھ کو

لوٹ کر اب میں آنے والا نہیں
چاہے جتنا جھنجھوڑ لے مجھ کو

❖

کیا خبر جو نظر آتا ہے وہ منظر ہی نہ ہو
یہ سمندر کہیں سچ مچ میں سمندر ہی نہ ہو

جس کی امید پہ سر پھوڑ رہی ہے دنیا
کہیں اس آہنی دیوار میں وہ در ہی نہ ہو

جان کر پھول جسے دل سے لگائے ہوئے ہیں
غور سے دیکھ لیں چھو کر اسے پتھر ہی نہ ہو

در و دیوار سے یہ کیسے نظر آتے ہیں
جس کو ویرانہ سمجھ بیٹھے ہیں وہ گھر ہی نہ ہو

اس قدر ہم کو ڈرانا نہیں اچھا اطہر
کیا پتہ ہم کو کسی چیز کا پھر ڈر ہی نہ ہو

❖

دوڑتے بھاگتے لاکھوں منظر دو آنکھیں
آخر تھک کر ہو گئیں پتھر دو آنکھیں

کب تک دیکھوں میں تعبیروں کا رستہ
اے خوابو! جاؤ خالی کر دو آنکھیں

ایک تو خود منظر پاگل کرنے والا
پہلے ہی سے پاگل اس پر دو آنکھیں

سیر کراتی ہیں کتنی دنیاؤں کی
میری دو آنکھوں میں اتر کر دو آنکھیں

نادیدہ ہیں جتنے بھی منظر اب تک
اطہر ان میں تم جا کر بھر دو آنکھیں

❖

لگی جو آگ تو پہلے گمانِ ذات جلا
پھر اس کے بعد مکمل جہانِ ذات جلا

عجیب رات تھی کالی گھنی اندھیری رات
پھر اک ستارہ سرِ آسمانِ ذات جلا

ہر ایک چیز وہاں جل رہی تھی شعلوں میں
سو میرا دل بھی کہیں درمیانِ ذات جلا

عجیب تیرگی اطہر ہے اس علاقے میں
کوئی چراغ ذرا درمیانِ ذات جلا

❖

پہن رکھی ہے جو خاک بدن اتار دوں کیا
اے زندگی میں ترا پیرہن اتار دوں کیا

یہ ایک لمحۂ تازہ جو ہاتھ آیا ہے
اسی کے شانوں پہ پچھلی تھکن اتار دوں کیا

جو میرے سینے میں اک دشت سا ہے پھیلا ہوا
ترے خیالوں کے اس میں ہرن اتار دوں کیا

تعلقات کی یہ ریشمی قبا اطہر
ہے جس سے چھلنی یہ سارا بدن اتار دوں کیا

❖

ہمارے شہر میں وہ حادثہ بھی ہونا ہے
سبھی کو ایک جگہ بیٹھنا ہے، رونا ہے

سو جتنا رونا ہے رو لو گلے سے لگ کے مرے
کہ صبح مجھ کو سفر پر روانہ ہونا ہے

ہمیں پہ ختم نہیں خواب دیکھنے کا ہنر
امین اس کا نئی نسل کو بھی ہونا ہے

بچھا رہے ہو جو کانٹے ہماری راہوں میں
کبھی تمھیں بھی انھیں بستروں پہ سونا ہے

❖

میں نیا کوچۂ حیرانی میں آیا ہوا تھا
اس لیے تھوڑا پریشانی میں آیا ہوا تھا

پاس کچھ وہ بھی کناروں سے بہت تھا میرے
میں بھی کچھ ان دنوں طغیانی میں آیا ہوا تھا

بڑھ کے سینے سے لگایا مجھے صحراؤں نے
میں بڑی بے سروسامانی میں آیا ہوا تھا

قافلے والو ہوس مجھ کو نہ تھی منزل کی
میں تو بس شوقِ حدی خوانی میں آیا ہوا تھا

مجھ کو ان لوگوں نے رستے میں کہیں لوٹ لیا
میں یہاں جن کی نگہبانی میں آیا ہوا تھا

❖

مجھ کو تکمیل کہانی کی اجازت دی جائے
یعنی اب مصرعہ ثانی کی اجازت دی جائے

ایک بے چین سا احساس مرے ذہن میں ہے
اس کو الفاظ و معانی کی اجازت دی جائے

جب بنالوں تری دنیا کو میں جنت یارب
تب مجھے نقلِ مکانی کی اجازت دی جائے

پھر سے کردار سبھی ڈھونڈ کے لائے جائیں
پھر سے آغازِ کہانی کی اجازت دی جائے

❖

اک نیا روپ دیا جائے مری مٹی کو
چاک پر پھر سے رکھا جائے مری مٹی کو

حقِ تخلیق ادا کرنے سے قاصر ہوں اگر
تو پریشان کیا جائے مری مٹی کو

اب نہیں ڈھونا ہے یہ بارِ وجود
آج آزاد کیا جائے مری مٹی کو

❖

مستقل بہتا ہے اک ریت کا دریا مجھ میں
سبز رہتا ہے سدا پیاس کا صحرا مجھ میں

پھر کسی خواب کی آہٹ ہے مری پلکوں پر
پھر کسی صبح نے بھیجا ہے اجالا مجھ میں

اب کہاں ڈھونڈنے جائے گا بیاباں اے دوست
آ مرے سینے سے لگ اور اتر جا مجھ میں

❖

ہر گھڑی برسے ہے بادل مجھ میں
کون ہے پیاس سے پاگل مجھ میں

تم نے رو دھو کے تسلی کر لی
پھیلتا ہے ابھی کاجل مجھ میں

میں ادھورا سا ہوں اس کے اندر
اور وہ شخص مکمل مجھ میں

چپ کی دیوار سے سر پھوڑتی ہے
ایک آواز ہے پاگل مجھ میں

میں تجھے سہل بہت لگتا ہوں
تو کبھی چار قدم چل مجھ میں

مژدہ آنکھوں کو کہ پھر سے پھوٹی
اک نئے خواب کی کونپل مجھ میں

کاٹنے ہیں کئی بن باس یہیں
اگ رہا ہے جو یہ جنگل مجھ میں

آگ میں جلتا ہوں جب جب اطہر
اور آجاتا ہے کچھ بل مجھ میں

❖

راز کھلتا نہیں کچھ اس کا کہاں سے لگا ہے
یہی شعلہ کہ جو خاکسترِ جاں سے لگا ہے

روکے رکھ اپنے فرشتوں کو ذرا دیر ابھی
اول اول مرا دل تیرے جہاں سے لگا ہے

میں کہ مشہور ہوس کاروں میں اب تک تھا بہت
مجھ پہ الزام محبت کا کہاں سے لگا ہے

میرے سب عیب چھپے تھے مری خاموشی میں
میں ہوں کیا اِس کا پتہ میرے بیاں سے لگا ہے

ان بیابانوں میں آتا ہے ابھی تک کوئی
آتے جاتے ہوئے قدموں کے نشاں سے لگا ہے

کوئی دشمن ہو تو تفصیل بتاؤں اطہر
یار مت پوچھ کہ یہ زخم کہاں سے لگا ہے

❖

میں اپنے جسم کی دیوار میں چنوں خود کو
پھر اپنے آپ سے باتیں کروں سنوں خود کو

تمام شہر میں بکھرا پڑا ہے میرا وجود
کوئی بتائے بھلا کس طرح چنوں خود کو

نکل پڑا ہوں میں ہمزاد ڈھونڈنے اپنا
لگا کے بیٹھا ہوا ہوں عجب جنوں خود کو

لہو کا شور اگر تھوڑی دیر تھم جائے
تو پھر سکون سے کچھ دیر میں سنوں خود کو

مرے وجود کے سب تانے بانے الجھے ہیں
کدھر کدھر سے میں سلجھاؤں اور بنوں خود کو

وہ چیز کیا ہے کہ جس کی تلاش میں اطہر
ادھیڑ ادھیڑ کے اپنا بدن دھنوں خود کو

❖

کوئی دریا بھی رواں ہے مجھ میں
صرف صحرا ہی کہاں ہے مجھ میں

کیا پتہ جانے کہاں آگ لگی
ہر طرف صرف دھواں ہے مجھ میں

جشن ہوتا ہے وہاں رات گئے
وہ جو اک خالی مکاں ہے مجھ میں

اجنبی ہوگئیں گلیاں میری
جانے اب کون کہاں ہے مجھ میں

ایک دن تھا جو کہیں ڈھل بھی چکا
ایک شب ہے کہ جواں ہے مجھ میں

❖

حریمِ دل میں ٹھہر یا سرائے جاں میں رک
یہ سب ترے ہی مکاں ہیں کسی مکان میں رک

بنا رہا ہوں پیالہ ابھی یقین کا میں
تو ایسا کر کہ ابھی کاسۂ گمان میں رک

میں تجھ کو باندھ لوں اپنی غزل کے شعروں میں
خیالِ یار ذرا دیر میرے دھیان میں رک

ابھی تو قوسِ قزح بن رہی ہے آنکھوں میں
اے ہفت رنگ پری میری داستان میں رک

بلند کرنا ہے معیار اپنے شعروں کا
مرے حروف میں ضم ہو مری زبان میں رک

❖

ہر ایک غم کو خوشی میں لپیٹتا ہوا میں
بہل رہا ہوں کھلونوں سے کھیلتا ہوا میں

ترے پیالے میں جاکر نہ ضایع ہو جاؤں
سو پیش و پس میں ہوں خود کو انڈیلتا ہوا میں

بچھا کے بیٹھا ہوں صحرا کبھی ہتھیلی پر
کبھی چلاہوں سمندر لپیٹتا ہوا میں

سنا تھا مجھ میں خزانہ چھپا ہوا ہے کوئی
سو ختم ہوتا ہوں خود کو ادھیڑتا ہوا میں

❖

کوئی بگولہ رقصاں میرے اندر ہے
دل صحرا میں جشن کے جیسا منظر ہے

میں نے کیسے کیسے موتی ڈھونڈے ہیں
لیکن تیرے آگے تو سب پتھر ہے

آنکھوں کی تم بالکنی پر آجاؤ
دیکھو کتنا گہرا نیل سمندر ہے

خاموشی سے مار نہ دے اک دن مجھ کو
شور سا اک جو میری ذات کے اندر ہے

چاہے جو بھی کھڑکی میں کھولوں اطہر
سب کے باہر ایک ہی جیسا منظر ہے

❖

یہ کیسی آگ مجھ میں جل رہی ہے
یہ کیسی برف مجھ میں گل رہی ہے

کوئی تسبیح مجھ میں پڑھ رہا ہے
کوئی قندیل مجھ میں جل رہی ہے

مسافر جا چکا لمبے سفر پر
ابھی تک دھوپ آنکھیں مل رہی ہے

سبھی باہوں کو پھیلائے کھڑے ہیں
قیامت ہے کہ ہر پل ٹل رہی ہے

اضافی ہو چکا ہے متن سارا
کہانی حاشیے سے چل رہی ہے

مجھے سب دفن کر کے جا چکے ہیں
مگر یہ سانس اب تک چل رہی ہے

بہت روئے گی یہ لڑکی کسی دن
جو میرے ساتھ ہنس کر چل رہی ہے

❖

چل رہی ہے کوئی آندھی مجھ میں
دور تک گرد ہے پھیلی مجھ میں

جس سے سرسبز میں رہتا تھا کبھی
وہ ندی اب نہیں بہتی مجھ میں

دوستی ہے جو سلامت اب تک
ہے کوئی بات تو ایسی مجھ میں

میں تو پہلے سے ہی موجود نہ تھا
اب تو ملتا نہیں تو بھی مجھ میں

یاد آیا کوئی بیتا لمحہ
رات رانی کوئی مہکی مجھ میں

اب کے کیا بات ہے پڑھ کر تجھ کو
روشنی سی نہیں پھیلی مجھ میں

سوچتا ہوں کہ رہا کر دوں اسے
ایک خواہش ہے جو قیدی مجھ میں

جو نہیں لکھی ابھی تک اطہر
اس نے وہ بات بھی پڑھ لی مجھ میں

❖

بارش میں تو خیر برابر بھگتے ہیں
دھوپ میں بھی ہم لیکن اکثر بھیگتے ہیں

جب ساحل پر دن تھک کر ڈھل جاتا ہے
پلکوں پر یادوں کے منظر بھیگتے ہیں

بالکنی سے کیا نظارہ بارش کا
آؤ ہم تم چھت پر چل کر بھیگتے ہیں

ہر سو بھینی بھینی خوشبو پھیلی ہے
برساتوں میں مٹی کے گھر بھیگتے ہیں

بادل کے کب آنکھیں ہوتی ہیں اطہر
مٹی پیاسی ہے اور پتھر بھیگتے ہیں

❖

زمین چھوڑ کے اڑتے ہیں جو خلاؤں میں
بکھرتے دیکھا ہے میں نے انھیں خلاؤں میں

ہر ایک سینہ ہے زخمی ہر اک نفس گھائل
گھلا ہوا ہے کوئی زہر سا فضاؤں میں

پھراس کے بعد تھی رستوں میں صرف دھوپ ہی دھوپ
میں تھوڑی دور چلا تھا کسی کی چھاؤں میں

مرے خلاف یہ دنیا ہوئی ہے اس دن سے
کسی نے مانگا تھا جس دن مجھے دعاؤں میں

کبھی میں قیس ہوں اطہر تو ہوں کبھی فرہاد
مرا ہی ذکر ہے دنیا کی سب کتھاؤں میں

❖

کہاں میں جراتِ اظہار کرنے والا تھا
یہ دل ہی مجھ کو گنہگار کرنے والا تھا

دھنسا ہوا ہے ابھی دلدلی زمین میں تو
یہی تو وقت ندی پار کرنے والا تھا

ہم اس کے ملبے پہ سوئے ہوئے ہیں چین کی نیند
جو زلزلہ ہمیں بیدار کرنے والا تھا

مرے وجود سے تو منکشف ہوا مجھ پر
وگرنہ میں ترا انکار کرنے والا تھا

پتہ چلا مجھے اطہر کہ ہے عدو کا حلیف
میں جس کو اپنا طرفدار کرنے والا تھا

❖

ہم ترا ہجر جینے لگ گئے ہیں
لیکن اس میں مہینے لگ گئے ہیں

اب دوا کام ہی نہیں کرتی
اب تو ہم زہر پینے لگ گئے ہیں

یوں ترا غم چھپائے بیٹھا ہوں
ہاتھ جیسے دفینے لگ گئے ہیں

اب وہ مجھ سے زیادہ دور نہیں
اب خیالوں میں زینے لگ گئے ہیں

اک بھنور کو شکست دینے میں
جانے کتنے سفینے لگ گئے ہیں

گھاؤ تو دل پہ تھا مرے اطہر
لوگ کیوں ہونٹ سینے لگ گئے ہیں

❖

زمین پر ہوں کہ اب آسماں تک آ گیا ہوں
اڑان میں ہوں نہ جانے کہاں تک آ گیا ہوں

تری زبان سے اک دن ادا بھی ہونا ہے
ابھی تو میں ترے وہم و گماں تک آ گیا ہوں

چمک رہے ہیں یہاں خنجر آستینوں میں
یہ میں نے سمجھا تھا جائے اماں تک آ گیا ہوں

سنائی دیتی ہے یہ کیسی بازگشت مجھے
تو کیا میں وادیِ آئندگاں تک آگیا ہوں

سراب، دھوپ، بگولے، غبار، تنہائی
یہ لگ رہا ہے کہ میں دشتِ جاں تک آگیا ہوں

پڑاؤ آخری جو رفتگاں کا تھا اطہر
میں آج چلتا ہوا اس نشاں تک آگیا ہوں

رات کے دریچے سے

یاس کے اندھیروں میں اک کرن چمکتی ہے
رات کے دریچے سے صبح سی نکلتی ہے

جھیل جیسی آنکھوں میں خواب سے جھلکتے ہیں
تھرتھراتے ہونٹوں پر زندگی مچلتی ہے

موتیا ہیں یا بیلے دانت جو تمھارے ہیں
تمتماتے عارض سے آنچ سی نکلتی ہے

چاند جیسے چہرے کی تیرگی منور ہے
گیسوؤں کی خوشبو سے رات بھی مہکتی ہے

پیرہن کہ گلشن ہے فیصلہ نہیں ہوتا
جسم ہے کہ جادو ہے بحث روز چلتی ہے

چال ہے کہ جیسے اک بادبانی کشتی جو
دوش پر ہواؤں کے کروٹیں بدلتی ہے

میرا غمکدہ روشن ہے تمھاری یادوں سے
بھول کر بھی کیا تم کو یاد میری آتی ہے

❖

کردار مرکزی پسِ منظر چلے گئے
اندر کے جتنے لوگ تھے باہر چلے گئے

آتا ہے کون بجھتے چراغوں کے آس پاس
اچھا کیا جو آپ بھی اٹھ کر چلے گئے

اب چھنتے رہے ٹوٹے ہوئے جام صبح تک
محفل سے لوگ دھوم مچا کر چلے گئے

اپنی مثال ڈھونڈنے اطہر ہم ایک دن
تھک ہار کر خود اپنے برابر چلے گئے

❖

جدا سا رنگ، الگ خدّ و خال چاہتا ہے
مرا ہنر مرے دل سے وصال چاہتا ہے

دکھوں کی دھوپ میں خوشیوں کے پل بچا کے رکھو
یہ سبز باغ بہت دیکھ بھال چاہتا ہے

مری زمیں، مری مٹی، مرا بدن، مری ماں
نہ پوچھ کتنا تجھے تیرا لال چاہتا ہے

تمام مہرے مرے پٹ چکے مگر یہ دل
جو آخری ہے وہی چلنا چال چاہتا ہے

ہم ایسی نسل ہیں جو جی رہی ہے فردا میں
اگرچہ اِس سے کچھ اور اس کا حال چاہتا ہے

❖

ہر اک موج میں دریا کی گرداب رکھے تھے
میں نے جب کشتی میں اپنے خواب رکھے تھے

وقت چلا تھا اوڑھ کے جب کالی راتوں کو
میں نے جیب میں جگنو اور مہتاب رکھے تھے

سبزے یادوں کے کب اور کیسے سوکھے
ہم نے تو یہ کھیت بہت شاداب رکھے تھے

سوچ کے سویا تھا میں اک گذرے لمحے کو
صبح ہوئی تو تکیے پر کچھ خواب رکھے تھے

❖

دیکھ لگ جائے تکبر کی نہ دیمک تجھ کو
یہ وہ کیڑا ہے جو کردار کو کھا جاتا ہے

ایسے چھپ چھپ کے گھروں میں نہیں رویا کرتے
شور اکثر در و دیوار کو کھا جاتا ہے

اس لیے اس کو کلیجے سے لگائے ہوئے ہوں
تیرا غم دوسرے آزار کو کھا جاتا ہے

اب کسی شخص کو بھی سر پہ چڑھاتا نہیں میں
سر پہ جو چڑھتا ہے دستار کو کھا جاتا ہے

❖

میں نے اس کی آنکھیں دیکھیں گہرے کاجل میں
جیسے دو دو چاند کھلے ہوں کالے بادل میں

وہ کہتی ہے ٹوٹا پھوٹا گھر اور تیرا ساتھ
میں کہتا ہوں چاند ستارے بھر دوں آنچل میں

ہر سو لہرا اٹھی ہے کیوں فصل خموشی کی
میں نے تو آوازیں بوئی تھیں اس جنگل میں

ارمانوں کی پریوں کے پیچھے مت بھاگ اے دل
صحراؤں کی پیاس بھری ہے ان کی چھاگل میں

میں بھی سچ کی کھوج میں نکلا تھا اپنے گھر سے
لیکن ساری عمر گزاری جھوٹ کی دلدل میں

❖

تمام عمر کا ہم گوشوارہ لے آئے
ہمارے پاس تھا جو کچھ وہ سارا لے آئے

زمیں کی آگ ابھی سرد بھی نہیں ہوئی تھی
تم ایک اور دہکتا ستارہ لے آئے

پتہ میں پوچھ رہا تھا نئے جزیروں کا
مجھے کنارے پہ تم کیوں دوبارہ لے آئے

نہ بھیک مانگی کبھی روشنی کی سورج سے
ہم اپنی خاک کو کر کے شرارہ لے آئے

❖

محبتوں کے نئے اور باب لکھ ڈالوں
کوئی پڑھے تو میں پوری کتاب لکھ ڈالوں

مرے خدا مجھے ایسا ہنر عطا کر دے
کہ سب کی آنکھوں میں جتنے ہیں خواب لکھ ڈالوں

کوئی سوال اٹھاتا نہیں یہاں پھر بھی
میں چاہتا ہوں کہ سارے جواب لکھ ڈالوں

کہوں وہ سچ کہ جو ہیں تشنۂ کلام اب تک
وہ جھوٹ جن پہ ہے اب تک نقاب لکھ ڈالوں

❖

تو تو رہتا ہے مری آنکھوں میں
تجھ سے کیا بات چھپانی پانی

پیاس روکے ہوئے میں بیٹھا تھا
اور پھر چیخ اٹھا پانی پانی

میری آنکھوں سے بھی اک بار نکل
دیکھوں میں تیری روانی پانی

❖

میں کیا کرتا تھا اچھی باتیں
کیوں بری ہو گئیں میری باتیں

زندگی پاس مرے بیٹھ ذرا
تجھ سے کرنی ہیں ضروری باتیں

اک طرف باندھ کے رکھ دیتا ہوں
پھر سے کھل جاتی ہیں پچھلی باتیں

اے مرے دل تو پریشان نہ ہو
لوگ تو کرتے ہیں یونہی باتیں

اک زمانہ ہوا بیتے ان کو
پھر بھی لگتی ہیں یہ کل کی باتیں

سنتا رہتا ہوں میں خاموشی سے
لوگ دہراتے ہیں میری باتیں

❖

اپنی باری کے انتظار میں ہم
ہیں کھڑے دیر سے قطار میں ہم

تو نے تصویر دیکھی ہوگی کوئی
ایسے ہیں تیرے انتظار میں ہم

زندگی کام لے لے ہم سے کوئی
ہیں ابھی اپنے اختیار میں ہم

اپنے محور پہ رقص کرتے ہوئے
آگئے ہیں ترے مدار میں ہم

اپنا چہرہ نہیں ہے یاد مگر
تم کو پہچان لیں ہزار میں ہم

پہلے پت جھڑ میں چوٹ کھائی تھی
اب کے زخمی ہوئے بہار میں ہم

❖

تیرگی زیست کی اس طرح اجالے ہوئے ہیں
اپنی آنکھوں میں ترے خواب کو پالے ہوئے ہیں

ایک محشر ہے جسے تھام رکھا ہے دل میں
اک قیامت ہے کہ جس کو ابھی ٹالے ہوئے ہیں

تہ بہ تہ ریت کی پرتوں کو بھی چھانا ہوا ہے
موج در موج سمندر بھی کھنگالے ہوئے ہیں

سستی شہرت کی تمنا میں مرے شہر کے لوگ
اپنی عزت سرِ بازار اچھالے ہوئے ہیں

❖

راس آتی ہے بہت آب و ہوا صحرا کی
جانے دے دی ہے تجھے کس نے دعا صحرا کی

تجھ کو ملنے سے رہا شہر میں وحشت کا علاج
تجھ کو شاید کہ شفا بخشے ہوا صحرا کی

ہم تو لیتے ہیں مزا گھر میں ہی ویرانی کا
ناز برداری کرے کون بھلا صحرا کی

اک سمندر ہے مری ذات کے پیمانے میں
ڈال رکھی ہے مگر اس پہ ردا صحرا کی

تیرا ہمزاد تجھے شہر میں ملنے سے رہا
باندھ لے رختِ سفر خاک اڑا صحرا کی

❖

کس کی مٹی تھی مری روح جسے ڈھوتی رہی
زندگی کس کی تھی میں جس کو بسر کرتا گیا

سہل کب دشتِ تمنا سے گزرنا تھا مگر
دھیان میں تجھ کو رکھا اور سفر کرتا گیا

منزلیں اور کسی سمت تھیں میری اطہر
اور میں دوسری سمتوں میں سفر کرتا گیا

مجھ سے ہوتی نہیں در بدری اب
چھوڑ وحشت مری ہمسفری اب

کچھ خبر شہر کی لازم ہے میاں
اتنی اچھی نہیں بے خبری اب

تم دکاں اپنی بڑھا لو اطہر
بک رہی ہے یہاں بے ہنری اب

❖

ان دنوں شہر میں ویرانیاں بڑھنے لگی ہیں
دلِ وحشی تری آسانیاں بڑھنے لگی ہیں

آپ کو جب سے بتائے ہیں مسائل اپنے
اور بھی میری پریشانیاں بڑھنے لگی ہیں

پھر کوئی شخص اتر آیا ہے ان میں اطہر
پھر مری آنکھوں کی حیرانیاں بڑھنے لگی ہیں

❖

چلو ہم بھی دعائیں مانگتے ہیں
دعاؤں میں ہوائیں مانگتے ہیں

نمازیں تو بہت ہی مختصر ہیں
مگر لمبی دعائیں مانگتے ہیں

کوئی کنکر ہی اطہر مار دیتا
سمندر پھر صدائیں مانگتے ہیں

❖

مرے زوال میں میرا عروج پنہاں ہے
مرے جمود سے اک انقلاب بن رہا ہے

چلو کہ ہم بھی ملا دیں اسی میں اپنے چراغ
دیارِ شب میں جو اک آفتاب بن رہا ہے

وہ جس پہ توڑ دیا تھا قلم حریفوں نے
مری کتاب کا وہ پہلا باب بن رہا ہے

پلک پلک پہ ہیں کچھ کرچیاں سی اے اطہر
کہ جن کو جوڑ کے اک تازہ خواب بن رہا ہے

کرفیو

شہر میں کرفیو لگا ہے
صبح سے اعلان پر اعلان ہوتے جا رہے تھے
شام سے باہر کوئی نکلا تو گولی ماردی جائے گی اس کو
کیوں کہ یہ امن واماں کے واسطے بے حد ضروری ہے
شام سے کرفیو لگا ہے
شام ہی سے
لٹ رہی ہیں ماؤں بہنوں بیٹیوں کی عصمتیں
آگ کے شعلے زمیں سے آسماں کو چھو رہے ہیں
چیخ شور اور سسکیوں سے ہے فضا ہیبت زدہ
شہر میں سارے درندے گھس گئے ہیں
جن کے ماں بیٹی بہن کوئی نہیں ہے
جن کا مذہب ہے نہ ہے ایمان کوئی
جو صدا انسانیت کا خون ہی پیتے رہے ہیں
ہر گلی ہر کوچہ ہر نکڑ پہ بڑھتا جا رہا ہے ان درندوں کا ہجوم

شیطنت کا رقص بے ہنگم ہے جاری ہر طرف
لیکن اس پر بھی یہ خاکی پتھروں کی مورتیں
رائفل کاندھوں پہ لٹکائے ہوئے خوش گپیوں میں مست ہیں
جیسے سب کچھ پر سکوں ہے
کل خبر یہ نشر ہو گی
شہر میں کرفیو لگا ہے
حالات ہیں سنگین پر قابو میں ہیں
آج پی ایم شہر کا دورہ کریں گے
شہر لیکن کل کہاں ہو گا
کل تو بس امن و اماں ہو گا

❖

سمندر کو بھی صحرا کہہ رہے ہیں
یہ پیاسے جانے کیا کیا کہہ رہے ہیں

برے ہیں جو برا کہتے ہیں مجھ کو
جو اچھے ہیں وہ اچھا کہہ رہے ہیں

سنو اس خواب کو تم بھول جاؤ
سنو تم سے دوبارہ کہہ رہے ہیں

کہیں کالی نہ ہو وہ رات سے بھی
جسے سب صبحِ فردا کہہ رہے ہیں

رگڑنے کو زمیں پر ناک اپنی
یہاں کچھ لوگ سجدہ کہہ رہے ہیں

❖

میں زندگی کو تو پہچانتا ہوں خوشبو سے
یہ نا سمجھ ہے جو اپنا پتہ بدلنے لگی

یہ کس کے ہجر کا موسم میں اوڑھے بیٹھا تھا
یہ کس کے وصل کی ساعت قبا بدلنے لگی

میں گھٹ رہا تھا خود اپنی ہی ذات میں اطہر
کسی کے آتے ہی لیکن فضا بدلنے لگی

❖

میں خود سے عشق بہت بے تحاشا کرتا ہوں
سمجھ رہی ہے یہ دنیا تماشا کرتا ہوں

ہنر کی شاخوں پہ آتی ہے اس سے ہریالی
سو گاہے گاہے میں خود کو تراشا کرتا ہوں

تجھ ایک شخص کو پانے کے واسطے اطہر
میں اپنے آپ کا کتنا تماشا کرتا ہوں

❖

میں بولتے ہوئے جب تھک گیا تو یہ دیکھا
کہ پڑھ رہا ہے مجھے وہ خموشیوں میں مری

میں کس کو سوچ رہا تھا ابھی تصور میں
ہزاروں رنگ اتر آئے انگلیوں میں مری

یہ میں ہوں یا کوئی آسیبِ آرزو اطہر
یہ کون قید ہے اب تک ہتھیلیوں میں مری

❖

ہزار راتوں کا زہراب ہے رگوں میں مری
میں ایک رات میں تھوڑی ہرا بھرا ہوا ہوں

وہ بھر رہا ہے کچھ اس طرح بازوؤں میں مجھے
کہ اپنے جسم میں جیسے ابھی بچا ہوا ہوں

مجھی میں بیٹھے ہیں چھپ کر مرے تمام عدو
اور ان کی سازشوں میں خود بھی میں ملا ہوا ہوں

❖

نہ اختلاف ہے کوئی نہ برہمی ہوئی ہے
مگر خلوص میں تھوڑی بہت کمی ہوئی ہے

گھٹن سی ہوتی ہے اس کے غبار سے مجھ کو
جو میرے سینے میں آندھی سی اک تھمی ہوئی ہے

اسے بھی چاٹ نہ لے دھوپ کی زباں اطہر
جو دل کے شیشے پہ رات اوس کی نمی ہوئی ہے

❖

نم آنکھوں میں کاجل تو لگائے نہیں جاتے
دلدل پہ کبھی گاؤں بسائے نہیں جاتے

اترے ہیں مہاجر کی طرح جھیل پہ دل کی
یادوں کے پرندے ہیں اڑائے نہیں جاتے

کچھ لوگ تو یاد آتے نہیں بھول کے لیکن
بھولے سے بھی کچھ لوگ بھلائے نہیں جاتے

❖

یوں نہیں تھا کہ محبت نہیں تھی
ہاں مگر پہلے سی شدت نہیں تھی

زندگی چھوڑ دیا تجھ کو بھی
یعنی تجھ سے بھی محبت نہیں تھی

سی لیے ہونٹ اب اپنے میں نے
بولنا جب تھا اجازت نہیں تھی

سب کا کردار ادھورا ہی رہا
کیا مکمل یہ حکایت نہیں تھی

جب وہ سننا ہی نہیں چاہتا تھا
تم کو کہنے کی ضرورت نہیں تھی

آئنے صاف تھے دل کے اطہر
ان پہ یوں گردِ کدورت نہیں تھی

❖

عجیب معرکہ درپیش شہرِ ذات میں تھا
سپر میں ڈال ہی دیتا یہ ممکنات میں تھا

مسافتیں کئی صدیوں کی طے ہوئیں اس میں
وہ ایک لمحۂ حیرت جو میرے ہاتھ میں تھا

کسی کو کیسے میں اس بار موقع دے دیتا
کہ میرا دوست بھی اس بار میری گھات میں تھا

وہ کر رہا ہے صفِ دشمناں کو اب مضبوط
منافقوں کا جو اک دستہ میرے ساتھ میں تھا

❖

کیوں کسی دوسری زمیں کے رہیں
جس جگہ کے ہیں ہم وہیں کے رہیں

اے خیالو ذرا ٹھہرنے دو
یوں نہ ہو پھر نہ ہم کہیں کے رہیں

حشر برپا ہے ہر طرف مولا
کیسے بندے تری زمیں کے رہیں

ان کی فطرت ہے سو بغیر ڈسے
کیسے یہ سانپ آستیں کے رہیں

❖

زمین روندی ہوئی قافیے پٹے ہوئے ہیں
وہ بحرِ خشک ہے جس پر سبھی چلے ہوئے ہیں

ہمیں خود اپنی بغاوت کا کچھ پتہ ہی نہیں
ہم اپنے آپ سے یوں ان دنوں کٹے ہوئے ہیں

ابھی بچا ہے سفر جانے کتنی صدیوں کا
نہ جانے کتنی ہی صدیوں کے ہم چلے ہوئے ہیں

یہ اور بات کہ فرصت نہیں گذرنے کی
ابھی بھی راستے سارے مرے رٹے ہوئے ہیں

نہ جانے کب انھیں اسٹیج ہونا ہے اطہر
وہ سارے سین جو میرے لیے لکھے ہوئے ہیں

❖

میں جس کلی کو بھی دیکھوں مجھے یہ لگتا ہے
کہ جیسے پہلے کسی نے اِسے چھوا ہوا ہے

اسی میں سجتی سنورتی ہیں وحشتیں میری
یہ آئینہ جو سرِ دشتِ جاں رکھا ہوا ہے

ابھی میں گوشۂ خاموش سے نہ نکلوں گا
یہ شور پیچھے مرے رائیگاں لگا ہوا ہے

ہمارے بیچ ہی بیٹھے ہوئے ہو تم اطہر
تمھارا دھیان یہ جانے کہاں لگا ہوا ہے

❖

ہو ختم سلسلہ جس کا یہ وہ سفر نہیں ہے
وگرنہ شاعری کرنا کوئی ہنر نہیں ہے

ضرور کاٹیے مجھ کو مگر یہ یاد رہے
یہاں پہ اور کوئی دوسرا شجر نہیں ہے

خود اپنے آپ سے خائف ہے ہر بشر اطہر
کسی کو آج کسی دوسرے کا ڈر نہیں ہے

ہزار راتوں پہ پھیلی ہے داستان مری
یہ دل کی بات ہے اور اتنی مختصر نہیں ہے

❖

دریا کے ساتھ ہے نہ ہی پانی کے ساتھ ہے
اپنا جو ربط ہے وہ روانی کے ساتھ ہے

لفظوں کے ہیر پھیر سے مطلب نہیں مجھے
میرا معاملہ تو معانی کے ساتھ ہے

خاموش میرے ہوتے ہی بجھ جائیں گے چراغ
ان کا بھی اختتام کہانی کے ساتھ ہے

❖

الفاظ ہیں کہ اپنے معانی سے کٹ گئے
کردار اپنی اپنی کہانی سے کٹ گئے

چٹان بھی ہلا نہ سکی تھی جنھیں وہ لوگ
اس بار جانے کیا ہوا پانی سے کٹ گئے

کھولیں جب آنکھیں میں نے تو دیکھا کہ شام ہے
دن، زندگی کے کتنی روانی سے کٹ گئے

متفرقات

مطلعے

ہمیں تو خاک بھی ہو کر نہ آئی ابجدِ عشق
سنا ہے چھو کے سبھی آ رہے ہیں سرحدِ عشق

.....

کوئی چراغ سر دشت جان روشن ہے
دھوئیں کے پیچھے نیا آسمان روشن ہے

.....

چلتے رہے ہیں زندگی ہم تیری دھوپ چھاوں میں
کچھ دن دکھوں کے شہر میں کچھ دن خوشی کے گاوں میں

.....

کچھ نیا ہے تو سناتے جاوٗ
ورنہ یہ ساز اٹھاتے جاوٗ

.....

لگ رہا ہے کہ کسی اور ہی سیارے کی ہے
میری مٹی میں جو تاثیر ہے انگارے کی ہے

.....

وقت کے ساتھ خیالات بدل جائیں گے
ہم سمجھتے تھے کہ حالات بدل جائیں گے

.....

دشت سے وادیِ شاداب تک آجاتے ہیں
نیند میں چلتے ہوئے خواب تک آجاتے ہیں

.....

کچھ نیا لکھنے کی کوشش میں بگڑ جاتے ہیں
شعر لفظوں کی نمائش میں بگڑ جاتے ہیں

.....

رستے میں سب راہی ہیں گھر جائیں گے
موت جب آئے گی ہم بھی مر جائیں گے

.....

ساتھ رہتی ہیں اکیلا نہیں ہونے دیتیں
تیری یادیں مجھے تنہا نہیں ہونے دیتیں

.....

شہروں کا رنگ چڑھ گیا سادہ نہیں رہا
اب دل ہمارا گاؤں کا لڑکا نہیں رہا

.....

درد کیسا یہ پسِ پردۂ شب اترا ہے
صبح کے نام سے ہی چہرۂ شب اترا ہے

.....

کس کو معلوم کہ اس بار کدھر دیکھنا ہے
کب ادھر لوگوں کی آنکھیں ہیں جدھر دیکھنا

.....

متنِ اصلی سے کبھی حاشیے سے دیکھتا ہوں
خود کو ہر روز نئے زاویے سے دیکھتا ہوں

.....

اہلِ جہاں کی کور نگاہی کا خوف ہے
سورج کو روشنی کی تباہی کا خوف ہے

.....

نہ انتظار کرو کل کا آج درج کرو
خموشی توڑ دو اور احتجاج درج کرو

مطلع اور ایک شعر

ٹھوکریں مار کے افلاک اڑاتا ہوا میں
آ گیا جانے کہاں خاک اڑاتا ہوا میں
دشتِ ہستی سے بگولے کی طرح گزرا ہوں
اپنے پیچھے خس و خاشاک اڑاتا ہوا میں

.....

سانس لینے کے لیے تھوڑا ٹھہر جائیں کہیں
اتنی رفتار سے چلنے میں نہ مر جائیں کہیں
چاک پر رکھ کے ہمیں بھول گیا ہے کوئی
شکل ملنے سے ہی پہلے نہ بکھر جائیں کہیں

.....

بھول بیٹھا ہوں کہ کس سمت میں گھر ہے میرا
دشت کے بعد سمندر میں سفر ہے میرا
ایک معمولی سا کردار ملا تھا مجھ کو
پھر بھی انجامِ کہانی پہ اثر ہے میرا
سارے رنگوں سے جدا ہوتا ہوا
میں ، الگ اپنی نوا ہوتا ہوا

کاٹ کر شاخیں مری تو خوش نہ ہو
دیکھ پھر مجھ کو ہرا ہوتا ہوا

.....

بُن رہا تھا خواہشوں کے جال میں
ہو گیا اس کھیل میں کنگال میں
وقت نے پیٹے سبھی مہرے مرے
چل نہ پایا کوئی اچھی چال میں

.....

اک دریچہ ہوں جو دیوار میں کھولا گیا ہوں
ہاں مگر چشمِ طلبگار میں کھولا گیا ہوں
میں ہوں السائی ہوئی صبح کا منظر اطہر
اور کسی نرگسِ بیمار میں کھولا گیا ہوں

.....

کتنا اچھا تھا تیرا میرا ساتھ
خواب جیسا تھا تیرا میرا ساتھ
جانے کس نے وہ صفحہ پھاڑ دیا
جس پہ لکھا تھا تیرا میرا ساتھ

.....

جو ایک بوجھ تھا دل پہ وہ ہم اتار آئے
گلی میں اس کی گئے اور اسے پکار آئے
ہمیں تراشا گیا جس قدر بھی اے اطہر
ہماری شاخوں پہ اتنے ہی برگ و بار آئے

.....

سارے الفاظ معانی سے گریزاں ہوئے ہیں
ہم یہ کس عالمِ وحشت میں غزلخواں ہوئے ہیں
ڈھونڈ ہی لیتے ہیں ہنسنے کا بہانہ کوئی
زیر تجھ سے کبھی ہم گردشِ دوراں ہوئے ہیں؟

.....

کر کے دنیا سے ہر اک مسئلہ صاف آ گیا ہوں
کعبۂ عشق ترا کرنے طواف آ گیا ہوں
میں کہ اک آخری شیدائی بچا تھا اپنا
میں بھی اب سنگ بدست اپنے خلاف آ گیا ہوں

.....

یادوں کے روشن دانوں سے جب بھی دھوپ اترتی ہے
بیتے لمحوں کی پرچھائیں دیواروں پہ ابھرتی ہے
ایسے اٹھ پڑتا ہوں اطہر گہری نیند سے راتوں میں
جیسے کوئی ریل سی میرے اوپر چڑھ کے اترتی ہے

.....

بڑے یقین سے اپنے گماں پہ چلتا ہوا
زمیں پہ اترا ہوں میں آسماں پہ چلتا ہوا
تمھاری راہ میں تارے تھے ہم سفر میرے
یہاں تک آیا ہوں میں کہکشاں پہ چلتا ہوا

.....

اک میں ہوں فقط کوئی بھی ہمزاد نہیں ہے
اس دشت میں مجھ سا کوئی برباد نہیں ہے
بس دھول ہی اڑتی ہوئی گلیوں میں ملے گی
وہ شہر جو مجھ میں تھا وہ آباد نہیں ہے

.....

کئی کہانیاں نکلیں مری کہانی سے
لگا رہا تھا میں پانی میں آگ پانی سے
خود اپنے آپ سے آگے کہیں نکل آیا
میں اب کے بار چلا اس قدر روانی سے

.....

سرائے جاں سے دھواں رات بھر نکلتا رہا
میں اپنے آپ میں جلتا رہا پگھلتا رہا
بجھی ہوئی تھی کوئی کہکشاں سی پیروں میں
میں تیری یاد کا دامن پکڑ کے چلتا رہا

.....

ہر ایک بات میں سو زاویے چھپا دیے ہیں
ہے متن بکھرا ہوا، حاشیے چھپا دیے ہیں
بہت دنوں سے نہیں دیکھی میں نے اپنی شکل
یہ کس نے گھر کے سبھی آئنے چھپا دیے ہیں

.....

میں وقت کے میلے میں کھویا ہوا لمحہ ہوں
خود اپنے عزیزوں سے بچھڑا ہوا لمحہ ہوں

اے دیدۂ نم مجھ کو رخصت کی اجازت دے
میں تیرے دریچے میں ٹھہرا ہوا لمحہ ہوں

.....

اب کسی دشت نہ صحرا سے مجھے ڈر لگے ہے
اتنا ویرانہ تو خود میرے ہی اندر لگے ہے
ذات کا شہر بھی طائف کی طرح ہے اطہر
جس طرف جاتا ہوں ہر سمت سے پتھر لگے ہے

.....

متفرق اشعار

کتنے رنگ بدلنے ہیں
آخری رنگ میں آنے تک

.....

وہ چلا جاتا ہے محشر کوئی برپا کر کے
اور کھڑے رہتے ہیں حیران و پریشان سے ہم
کیسے اطہر ہو بھلا اب تری وحشت کا علاج
لے تو آئے ہیں تجھے دشت و بیابان سے ہم

.....

کتنی تبدیلیاں کرنی پڑیں خود میں اطہر
تب کہیں جا کے یہ تصویر ابھر کر آئی

.....

جو روشنی کی تمنا ہے ساتھ چلتے رہو
ہمیں پتہ ہے کہ سورج کہاں سے نکلے گا

.....

اے حاکمانِ وقت یہ خاموش طبع لوگ
کیوں آج لب کشائی پہ مجبور ہو گئے

قحط الرجال ایسا تھا اطہر کہ شہر میں
جو بوالہوس تھے سرمد و منصور ہو گئے

.....

ہائے وہ نیند جو رخصت ہوئی ان آنکھوں سے
ہائے وہ خواب جسے بارِ دگر دیکھنا ہے

.....

تمام شہر لہو رنگ ہو گیا اطہر
یہ کس کے ہاتھ میں منظر نگاری دی گئی ہے
میں سرد راتوں کا ٹھٹھرا ہوا بدن اطہر
یہ کس کی دھوپ مری روح میں اتر رہی ہے

.....

اب ہر اک شخص کے چہرے میں ہے میرا چہرہ
اب ضرورت نہیں پڑتی مجھے آئینے کی

.....

یادوں کے اس رنگ برنگے دریا میں
خاموشی سے بہنا اچھا لگتا ہے
تم تو پہلی بار یہاں پر آئے ہو
مجھ میں جانے کب سے میلا لگتا ہے

.....

میں جہاں جاؤں ساتھ ساتھ مرے
روشنی کا حوالہ جائے گا

ایسے مایوس ہو کے مت بیٹھو
مل کے رستہ نکالا جائے گا

.....

میں نہ کہتا تھا کہ تشریح نہ کر لفظوں کی
کتنے شبہات وضاحت میں نکل آئے ہیں
خود کو پاتا ہوں نئے رنگ میں ہر بار اطہر
کتنے چہرے مری صورت میں نکل آئے ہیں

.....

میں ایک بھولا ہوا لفظ تھا لغت کا مگر
تری غزل میں جو آیا چمک اٹھا پھر سے

.....

زخمی ہیں پتھروں سے مری انگلیاں مگر
میں آئنہ بنانے کا فن سیکھ تو گیا

.....

صداقتوں کی امانت سنبھال کر رکھی
زبان کٹ گئی لیکن قلم نہ گرنے دیا
میں کام آ گیا لیکن یہ فخر ہے مجھ کو
کہ میرے بھائی نے اطہر علم نہ گرنے دیا

.....

ہم کہ اس بار تو گندم بھی نہیں کھائے تھے
پھر یہ کس جرم میں جنت سے نکالے گئے ہم

.....

باہر تو بس ایک ہی موسم ہوتا ہے
دل میں سات رتوں کے رنگ مچلتے ہیں

.....

بہت اداس ہے ساون میں اب کے دل کا شجر
ابھی پڑا نہیں جھولا کسی کی یادوں کا

.....

ہم اپنے زخم کو شعروں میں ڈھال لیتے ہیں
بس اس قدر ہی ہمارا کمال ہے پیارے

.....

کچھ تو مجبوریاں کہتا نہیں میں بھی اپنی
کچھ مرے یار سمجھنا بھی نہیں چاہتے ہیں

.....

بہت سے نام ہیں جن کا نہیں کوئی چہرہ
بہت سے چہرے ہیں جن کا کوئی بھی نام نہیں

.....

دیکھ اس طرح نہ جا توڑ کے تو خانۂ دل
لوگ کہتے ہیں کہ یہ پاک خدا کا گھر ہے

.....

اگر یہ گزرے ہوئے کل سے خوب تر نہیں ہے
تو مجھ کو لمحۂ آئندہ کس لیے کیا ہے

.....

میں چاہتا تھا ابھی اور پختگی آ جائے
مگر غزل سبھی پردے اٹھانا چاہتی ہے

.....

اجنبی لمحے گلے مجھ کو لگا لیتے ہیں
جب بھی مانوس سا اک لمحہ مجھے چھوڑتا ہے

.....

زندگی سے بھی تعلق نہیں پہلے جیسا
اور مرنے کی بھی مہلت نہیں ملنے والی

.....

کھوکھلے پیڑوں نے اعلان کیا ہے اطہر
جو نئی سوچ کے پودے ہیں اکھاڑو ان کو

.....

چند لوگوں کے کاروبار یہاں
تیرے اور میرے ڈر سے چلتے ہیں

.....

میں جن کی تعبیریں ڈھونڈنے نکلا تھا
اب ان خوابوں کے چہرے دھندھلانے لگے

.....

لبوں پہ کس کے میں نے لب رکھے ہیں
بدن کا رنگ نیلا پڑ رہا ہے

.....

پھر سے اک خواب دیکھنے کے لیے
اپنی نیندیں حرام کر رہا ہوں

.....

ہمیں تو مر کے وہی زندگی ہے پھر درپیش
سمجھ کے بیٹھے تھے ہم زندگی کا قرض چکا

.....

اپنی آنکھوں سے نچوڑوں گا کسی روز اسے
کرتا رہتا ہے بہت مجھ سے کنارا پانی

مرزا اطہر ضیاء کی شاعری اور شخصیت
مشاہرین کی نظر میں

پروفیسر شافع قدوائی
(شعبۂ ترسیلِ عامہ۔علیگڈھ مسلم یونیورسٹی)

عدم تطابق، تضادات اور تناقصات پر استوار رنگ و بو کا ادراک تشخص کے مانوس حوالوں سے نہیں کیا جا سکتا ہے اور حقیقی شناخت واضح امتیازات کے تصور کو شکست (Subvert) کر دیتی ہے۔فن اس نوع کے عرفان کو عام کرنے کی کوشش کرتا ہے اور حقیقت کا ایسا رویا خلق کرتا ہے جو فہم عامہ (Common sense) سے غذا حاصل کرنے والے تصور کی نارسائی کو خاطر نشاں کرتا ہے۔

یہ امر نہایت مسرت انگیز ہے کہ جواں سال شاعر اطہر ضیاء نے آرائشی زبان کے توسط سے قاری کے حسی سطح پر جذباتی مدارات کو اپنے فن کا مقصود نہیں بنایا بلکہ مسلمات میں مضمر تضادات اور وقفوں کو فنی شعور کے ساتھ اجاگر کیا ہے۔رنگ و نور سے معمور کائنات کی اساس فرد پر قائم ہے جس کا انفرادی تشخص کسی ایک رنگ سے عبارت نہیں ہے۔ بے اصلا تمام رنگوں کے تخلیقی انجذاب کا دوسرا نام ہے جسے اکثر فراموش کر دیا جاتا ہے۔اطہر ضیاء نے تخلیقی سطح پر یہ نکتہ دریافت کرلیا ہے اور اسے ایک وسیع تر حسی سیاق عطا کیا ہے

یہ جو بے رنگی نظر آتی ہے
بس یہی رنگ ہمارا ہے میاں

اسی طرح کنارے کو گوشہ عافیت مقصود کرنا خود کو فریب دینے کے مترادف ہے

سارے گرداب وہیں پر نکلے
جس کو کہتے تھے کنارا ہے میاں

اطہر ضیاء کی تخلیقی ثروت مندی کا علاقہ وسیع اور متنوع ہے ان کے بیشتر اشعار تجربے کی

دبازت کے مرتعش فنی اظہار سے عبارت ہے۔ ان کے خیال انگیز اشعار معاصر اردو غزل کے امکانات کا ایک نیا تخلیقی محاورہ قائم کرتے ہیں جس کی تحسین اردو تنقید کے ناخن پر فرض ہے۔

باقی احمد پوری، لاہور (پاکستان)

ہر اہم شاعر کا اپنا ایک مخصوص انداز ہوتا ہے جس سے وہ پہچانا جاتا ہے۔ اطہر ضیار کی شاعری کی پہچان یہ ہے کہ وہ شعر گوئی میں اپنی ذات کو مرکزی حیثیت دے کر بات کو آگے بڑھاتا ہے اور پھر اپنے اردگرد پھیلی ہوئی دنیا کے معاملات و مناظر اور اس دنیا میں رہنے والوں کے رویوں کو بیان کرتا ہے۔ اس کا یہ بیان پڑھ کر قاری اس کی مرکزیت کی طرف سفر کرتا ہے اور راستے کے تمام مناظر سے حظ اٹھاتا چلا جاتا ہے۔

اطہر ضیا کی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کی مرکزیت کو برقرار رکھتے ہوئے حسن و عشق و محبت کی بات بھی کرتا ہے اور غمِ زمانہ کی بات بھی کرتا ہے۔ مگر اس کی ذات کہیں بھی قاری کے ذہن پر بوجھ نہیں بنتی۔ دراصل وہ ایک آئینہ ہے جس میں ہر کوئی اپنا عکس دیکھتا ہے مگر آئینے کی طرف کسی کا دھیان نہیں جاتا۔

اطہر ضیار نے اپنے اردگرد ایسی خوبصورت شعری فضا تخلیق کر لی ہے کہ ہر کوئی اس حصار میں داخل ہو کر ایک نئے جہانِ معنی کی سیر کرنا چاہتا ہے۔ اطہر ضیار کو شعر کہنے کا ڈھنگ آتا ہے اور رنگوں کی فراوانی بھی اس کے پاس ہے جن سے وہ اپنی تخلیق کو سادگی سے پینٹ کرتا ہے۔ اس کی شاعری صوری اور معنوی ہر دو لحاظ سے سادہ ہونے کے باوجود دلکش، پُرتاثیر اور دلوں میں اتر جانے والی شاعری ہے۔ اس کی تخلیق ایک آئینہ ہے جس کے اندر کا طلسم قاری کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ اطہر ضیار کی شاعری میں عصری شعور کی جھلک بھی نمایاں ہے جسے اس نے جدت اور روایت کے حسین امتزاج سے تخلیق کیا ہے۔ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اطہر ضیار کی شاعری زندہ رہنے والی شاعری ہے۔

شکیل جمالی، نئی دہلی

اطہر کی شاعری پڑھتے ہوئے ایک فرحت بخش تازگی، شگفتگی اور ایک اطمینان کا احساس ہوتا ہے۔ ان کا اسلوب دلپذیر ہے، فکر کی روش قطعی علیحدہ ہے دوسروں سے مختلف۔ سلیس اور سدھائے ہوئے مصرعے، معمولی خیال کو بھی وہ علامت، استعارہ اور کنایہ کی مدد سے آفاقی بنا دیتے ہیں۔

الفاظ کے تخلیقی استعمال میں وہ جس چابکدستی اور فنکارانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہیں اس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ لفظ اگر جانکار ہاتھوں میں ہیں تو پھر وہ لفظ نہیں رہتے چلتا پھرتا کردار بن جاتے ہیں۔ اطہر ضیار کے بیشتر اشعار عالمی شعروادب کے مجموعی حافظے کا حصہ بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور انشاء اللہ بنیں گے۔ کیوں کہ وہ اشعار اشعار نہیں معنی خیز افسانے ہیں جنہیں گردِ فراموشی میں گم نہیں کیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر کلیم قیصر، بلرامپور، یوپی

شاعری خرد کی بخیہ گری اور جنوں کی جامہ دری سے مماثلت رکھتی ہے۔ انسان کی سوچ اچھی بری جیسی بھی ہے اسے یکی روشنائی میں آنے پر ہی جانچا، پرکھا اور تولا جا سکتا ہے۔ میرے خیال سے شاعری اور اچھی شاعری کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ صاحبِ تخلیق خود حساس طبیعت کا حامل ہو۔ کھلی ہوئی نظروں سے احوالِ واقعی اور دلی جذبات کو نقش کرنے کا حوصلہ رکھتا ہو۔ اطہر ضیار میں یہ تمام باتیں کسی نہ کسی زاویہ سے دیکھنے میں آتی ہیں۔ ان کی سوچ معاشرتی ہے۔ وہ روایتی قدروں کے سچے امانت دار ہیں اس لئے ان کی شاعری میں لفظیات کی ترتیب اور انکار کھ رکھاؤ سلیقہ سے نظر آتا ہے۔ وہ اچھا کہنے سے گریز نہیں کرتے اور یہی عمل ان کو اچھی شاعری کی منزل پہ لا کھڑا کرتا ہے۔ ایک اور اچھی بات ہے کہ وہ اچھا کہنے کی کوشش میں مسلسل سرگرداں رہتے ہیں۔ ان کی شاعری میں روایت اور جدت کا حسین امتزاج پایا جا ہے، جس کے سبب شعری روایت کی عظمتیں عروج پاتی ہیں۔ وہ کہیں

کہیں انہیں روایتوں میں چمک پیدا کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

ہمیں خوشی اس بات کی ہے کہ ان کے مجموعہ کلام کو پیارے دوست عزیز نبیلؔ صاحب نے ترتیب دے کر ایک مستحسن عمل کیا ہے۔ آیئے اطہر ضیاؔ اعظمی کے کچھ اشعار دیکھیں:

بہت سی آنکھیں مری راہ دیکھتی ہوں گی
میں ایک خواب ہوں تعبیر ہو رہا ہوں ابھی

بہت سے رنگوں کے چلتے رہے برش مجھ میں
پھر اپنے رنگ میں آتا ہوا چلا گیا میں

ابھی تو روح کو سیراب کرنا باقی تھا
ابھی تو ٹھیک سے لب بھی نہیں تھے بھیگے مرے

مجھ میں تھوڑی سی جگہ بھی نہیں نفرت کے لئے
میں تو ہر وقت محبت سے بھرا رہتا ہوں

مندرجہ بالا اشعار میں جو تازگی کا منظر نامہ پیش کیا جا رہا ہے اس میں اِک نئی سوچ تعمیر ہو رہی ہے جس میں غمِ جاناں اور غمِ زندگی دونوں ہے۔ میں ذاتی طور پر اطہر ضیاؔ کی شاعری کو نئی آواز کا تحفہ سمجھتا ہوں جسے اہلِ نظر کو قبول کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہونی چاہئے۔ دعا گو ہوں کہ اطہر ضیاؔ کی آواز اسی انفرادیت کے ساتھ شاعری کے نہاں خانہ میں گونجتی رہے۔

عتیق انظر (صدر، کاروانِ اردو قطر)

کچھ نیا ہے تو سناتے جاؤ
ورنہ یہ ساز اٹھاتے جاؤ

اس طرح کا مطلع وہی شاعر کہہ سکتا ہے، جو شعرا کی بھیڑ میں اپنی الگ راہ بنانا چاہتا ہو، عام روش سے ہٹ کر چلنا چاہتا ہو، پچھلے آٹھ برسوں میں دوحہ کے آدھے ادبی منظر نامے سے میں کٹ کر رہا، مجھے نہیں معلوم اس ادھورے عرصے میں، میں نے کیا

کھویا کیا پایا، لیکن دوحہ کے ایک نوجوان اور فطری شاعر اطہر ضیا، کی شخصیت اور شاعری سے عدم واقفیت میرے لیے بڑا نقصان ہے۔ اطہر کی شاعری کا انتخاب تقریباً سو، ڈیڑھ سو شعروں کی شکل میں میرے سامنے ہے، اس کے بہت سے شعروں نے مجھے چونکایا، غور و فکر کی دعوت دی، اچھی اور تازہ شاعری کا احساس دلایا۔

اس کی شاعری کو پڑھ کر مجھے محسوس ہوا کہ وہ ایک باشعور شاعر ہے اور اپنی شاعری کے تئیں بہت سنجیدہ ہے، لفظوں کو تخلیقی سطح پر برتنے کا مسئلہ ہو، یا شعر میں ایک سے زیادہ مفہوم کے امکانات کی بات ہو، الفاظ و معانی کی باہم پیوستگی کا معاملہ ہو، یا فن پارے کو ہر زاویے سے سجانے اور سنوارنے کا عمل ہو، اسے پوری طرح فن کے تقاضوں کا ادراک ہے، جس کا اظہار اس نے اپنے کئی شعروں میں کیا ہے:

میں ایک بھولا ہوا لفظ تھا لغت کا مگر
تری غزل میں جو آیا چمک اٹھا پھر سے

ہر ایک بات میں سو زاویے چھپا دیے ہیں
ہے متن بکھرا ہوا، حاشیے چھپا دیے ہیں

سارے الفاظ معانی سے گریزاں ہوے ہیں
ہم یہ کس عالمِ وحشت میں غزلخواں ہوئے ہیں

اطہر ضیا ایک فطری شاعر ہے، قدرت نے اسے اسلوب اظہار کے خزانے سے وہ دولت عطا کی ہے، جو بہت کم شاعروں کو نصیب ہوتی ہے، اتنی کم عمری میں کسی شاعر پر ،غزل کا اپنے رموز کے ساتھ منکشف ہو جانا بڑی بات ہے:

میں چاہتا تھا ابھی اور پختگی آ جائے
مگر غزل سبھی پردے اٹھانا چاہتی ہے

اطہر کے آسمانِ شاعری پر بہت سے اشعار ستاروں کی طرح جگمگا رہے ہیں، اس کی شاعری اردو ادب کا ایک روشن باب ہے، اس کے بیشتر اشعار ایسے ہیں جن پر

گفتگو ہو سکتی ہے، میں اسی کے ایک شعر پر اپنی بات ختم کر رہا ہوں

مجھ میں تھوڑی سی جگہ بھی نہیں نفرت کے لیے
میں تو ہر وقت محبت سے بھرا رہتا ہوں

شاہد ذکی، سیالکوٹ (پاکستان)

اطہر ضیاء کی شعری کائنات سے گزرتے ہوئے اِس خواب کو حقیقت ہوتا ہوا دیکھ رہا ہوں کہ ابھی بہت کچھ تھا جسے دریافت ہونا تھا۔۔۔ بیشتر مقامات پر مجھے ایسا لگا جیسے میں اجنبی جہانوں کی سیر گاہ میں اس سیاح کی طرح داخل ہو رہا ہوں جو گرد و پیش میں پھیلے ہوئے حسن کے سحر میں مبتلا ہو کر بے ساختہ میر کا یہ شعر گنگنانے لگے۔

سراپا پہ جس جا نظر کیجیے گا
وہیں عمر ساری بسر کیجیے گا

گو کہ اطہر ضیاء کے کلام میں "میں" یعنی واحد متکلم کا صیغہ غالب رجحان کے ساتھ استعمال ہوا ہے پھر بھی پڑھنے والے کو یہی احساس دلاتا ہے کہ اس قلبی واردات کو شاعر نے تمثیل کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہی اصیل شاعری ہے۔ اطہر ضیاء کے لیے دعا اور آپ سب کو مبارکباد کہ اطہر ضیاء نے آپ کے خوابوں کو اس کتاب میں تصویر کر کے پابلو نرودا کی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ

everything you can imagine is real

ندرتِ خیال اور قدرتِ کلام نے اطہر ضیاء کو میرے دل سے بہت قریب کر دیا ہے۔

شکیل اعظمی، ممبئی

اطہر ضیاء کے اشعار کہتے ہیں کہ آج کی دنیا میں کسی نوجوان کو اپنی ذات اور ذات کے حوالے سے قدرت اور اس کی کائنات کا عرفان ہونا ایک جرم ہے۔ خدا کرے کہ اطہر ضیاء اس جرم کی سزا گزارتے ہوئے موت کا پہاڑ پار کر لیں۔ اگر ایسا ہوا تو زمانہ بحیثیت شاعر

انہیں کبھی نہیں مار سکے گا۔ میں نے ان کے ڈھیر سارے اشعار پڑھے ہیں، یہ شاعری کسی برساتی نالے جمع کی ہوئی آبجو نہیں ہے یہ تو ایسا تخلیقی سرچشمہ ہے جو اطہر ضیار کی ذات سے پھوٹ نکلا ہے،اس چشمے کی دھار عرب کے ریگستان سے ہندوستان کے نخلستان تک جہاں جہاں بھی پہنچے گی وہاں وہاں زمین دیر تک سیراب رہے گی۔ایک عرصے کے بعد کسی نوجوان شاعر نے اپنی شاعری سے مجھے اس قدر متاثر کیا ہے۔ میں خدا سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ اطہر ضیار کو لوٹا دے کیوں کہ خدا کی اِس جھوٹی دنیا کو سچی شاعری کی بہت ضرورت ہے۔

اسلم عمادی،کویت

اطہر ضیار کی غزلیہ شاعری ایک ایسا آئینہ خانہ ہے جس میں بے حد تہذیب، ترتیب اور تازہ انداز سے خوبصورت شعری فن پارے سجے ہوئے ہیں، زبان و بیان، ڈکشن اور کلام میں مستعمل تراکیب شاعر کی ہنرمندی اور خلاقی کی شہادت دیتے ہیں۔

میں عزیز نبیل صاحب کا ممنون ہوں جنہوں نے اطہر کے کلام کے دریچے میری جانب کھولے اور میں میں منشرح ہونے والی روشنی کی حدت محسوس کر سکا۔اطہر ضیار کے کلام میں فکر اور اظہار کامیاب ترسیل کی طرف مائل ہیں۔ان کی شاعری شہری اور متوازن زندگی کی عکاس ہے، آج کے عصر میں احتجاجی لہجہ، شوروغل، اور سیاسی نعرہ بازی رائج عام ہو گئے ہیں، راست اور خالص ادبی لفظیات پر مبنی زبان کا استعمال کم تر ہو رہا ہے۔ایسے موسم میں اطہر ضیار کی شاعری ایک مہذب شہری کے احساسات کی ترجمانی کرتا ہے وہ نہ تو مایوس ہے، نہ منفعل اور نہ شاکی ، وہ سراسر صورت حال کی تصویر کشی کر کے پس منظر میں جذبات اور اپنی تجزیاتی نظر کا پرتو رکھ دیتا ہے۔قاری اور سامع کو شاعر کا تاثر پڑھنے میں دشواری نہیں ہوتی۔

وقت، زمانہ، لمحے، دھوپ، چھاؤں، انگارے، راہیں شرر، چمک، اندھیرا، روشنی، نور اور ایسے ہی بہت سے الفاظ جو جدید اظہار میں علامت اور استعارے کے طور پر قبولیت رکھتے شاعر کو اپنی فکر کی ترسیل میں مدد و معاون رہے ہیں اسی لیے اطہر کی شاعری کے منظر نامے

سے گزرتے ہوئے اجنبیت، اچانک پن، ابہام اور حیرت سے دوچار ہونا ممکن نہیں۔
میں ان کی شاعری کو جدید لب ولہجہ کی ایک اچھی مثال مانتا ہوں۔ جس کی کرنیں ادبی افق پر ضرور محسوس کی جائیں گی اور اتنی اچھی شاعری کے لیے میں انہیں مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

ظہور الاسلام جاوید، ابوظہبی (عرب امارات)

اطہر ضیار کی شاعری ایک منفرد لب و لہجے کی شاعری ہے جس میں ہمہ وقت زندگی سے مکالمہ کرتے رہنے کا رجحان نمایاں ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

پہن رکھی ہے جو چاک بدن اتار دوں کیا
اے زندگی میں ترا پیرہن اتار دوں کیا

یا یہ شعر

اک نیا روپ دیا جائے مری مٹی کو
چاک پر پھر سے رکھا جائے مری مٹی کو

ایسے خوبصورت سخن ور کی کتاب کا شائع کیا جانا اردو شاعری کے لئے نیک فال ہے میں مجموعۂ کلام کی اشاعت پر مبارکباد پیش کرتا ہوں اللہ سے دعا ہے کہ یہ کتاب اردو شاعری میں سنگ میل ثابت ہو۔

نصرت مہدی، (سکریٹری، مدھیہ پردیش اردو اکیڈمی)

مرزا اطہر ضیار کے اشعار ذہن ودل پر فوری تاثر رقم کرتے ہیں، خوشگوار، دیرپا اور پرسکون تاثر۔ اکثر وبیشتر اطہر ضیار کی مختلف ذرائع سے نظر نواز ہوتی رہتی ہے اور ہمیشہ ہی خوشی ہوتی ہے کہ ایک نوجوان شاعر اتنے اچھے اشعار کہہ رہا ہے جو اردو کے روشن مستقبل کی ضمانت کہے جاسکتے ہیں۔

ڈاکٹر عنبریں حسیب عنبر، کراچی (پاکستان)

کسبِ کمال کا تعلق عمر سے ہرگز نہیں یہ تو عطائے خداوندی ہے جو انسان کو اس کی سچائی اور ایمان داری کے صلے میں ملتی ہے، یہ وہ پہلا اور فوری احساس ہے جو اطہر ضیاء کی شاعری پڑھتے ہی پیدا ہوتا ہے۔ رواں دواں بے ساختہ مصرعوں سے شعری پیکر میں ڈھلتا تخیل، تجربے اور مشاہدے کی سچائی سے نکھر کر اظہار کی سطح پر ہی شاعر کی انفرادیت کا احساس دلا دیتا ہے۔

لفظوں کی نمائش سے پیدا ہونے والے بگاڑ سے پاک بس اپنے زخموں کو شعروں میں ڈھالنے کا کمال رکھنے والے اطہر ضیاء کی شاعری میں عصری حسیت بھی ہے، نئی معنویت کا معصوم اظہار بھی اور جمالیات کی رنگا رنگی بھی جو ظاہر کرتی ہے کہ یہ شاعری افکار و اقدار کے دائرے کو وسیع کرتے ہوئے کھلی فضا میں سانس لے رہی ہے۔ جدید زبان اور نت نئی تشبیہات اور منفرد امیجریز سے بجی یہ شاعری دعوی کرتی محسوس ہوتی ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بھارت میں اردو شاعری میں نئی نسل سامنے نہیں آرہی انھوں نے اطہر ضیاء کی شاعری نہیں پڑھی۔ یہ شاعری وہ ہے جو پورے اعتماد سے اعلان کرتی ہے کہ:

کچھ نیا ہے تو سناتے جاؤ
ورنہ یہ ساز اٹھاتے جاؤ

پروفیسر فرتاش سیّد (صدر، مجلسِ فروغِ اُردو ادب دوحہ۔ قطر)

''وہ آیا، اُس نے دیکھا، وہ چھا گیا'' اِس کہاوت کے مصداق اطہر ضیا چند سال پہلے دوحہ کے ادبی منظر نامہ پر نمودار ہوئے اور اپنی شعری لیاقت وفنی اکتسابات کے باوصف ادبی تقریبات اور مشاعروں میں اہمیت اختیار کرتے گئے۔ فنی وعروضی مباحث میں انتہائی متحرک کردار ادا کرتے ہوئے اُنھوں نے سنجیدہ ادبی حلقوں کو نہ صرف اپنی طرف متوجہ کیا بلکہ

آئے دن خوب صورت غزلوں کی تخلیق سے سب کو چونکا بھی دیا۔

اطہر ضیا کے نزدیک غزل ایک ایسا پودا ہے جس کی نگہداشت کا عمل ہر روز سرانجام دینا پڑتا ہے۔ اس تناظر میں وہ کبھی اسے خونِ دل سے سیراب کرتے ہیں تو کبھی نئے لفظوں اور نئے استعاروں کی کھاد ڈالتے ہیں تاکہ نخلِ غزل تروتازہ اور سرسبز و شاداب رہے۔

اطہر، اُردو غزل کے ڈھلے ڈھلائے اور بنے بنائے راستوں پر چلنے کے بجائے نئی ردیفوں، نئی زمینوں اور نئی تخلیقی دنیاؤں کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ وہ روایت کو یکسر نظرانداز کرنے کے بجائے روایت کی لالٹین ہاتھ میں تھامے جدیدیت کے مہیب اور تاریک راستوں کو مسخر و منور کرنے اور قابلِ قبول بنانے کی تگ و دو میں مصروفِ کار نظر آتے ہیں۔ اپنے وہبی و اکتسابی تخلیقی وفور سے وہ مشکل اور پیچیدہ مضامین کو بھی کمال سہولت سے باندھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ کبھی سمندر کو لپیٹتے ہیں تو کبھی صحراؤں کو ہتھیلی پر بچھا دیتے ہیں۔

اطہر، دشت نوردی میں قیس اور کوہ کنی میں فرہاد کے مقلد و پیرو ہونے کی وجہ سے اِس بات پر پختہ یقین رکھتے ہیں کہ محبت کی کتھاؤں میں قیس و فرہاد کے ساتھ اُن کا بھی ذکر ہوتا رہے گا:

سارے الفاظ، معانی سے گریزاں ہوئے ہیں
ہم یہ کس عالمِ وحشت میں غزل خواں ہوئے ہیں
جو ایک بوجھ تھا دل پر، وہ ہم اتار آئے
گلی میں اُس کی گئے اور اسے پکار آئے

عبید طاہر، سینئر پروڈیوسر اناؤنسر، اردو ریڈیو۔ دوحہ

اطہر ضیا، ایک شخص جو اپنے نام کی طرح پاکیزہ اور ضوبار ہے۔ ایک شاعر جس

کی شاعری پر اس کے نام میں شامل اوصاف کی بھرپور چھاپ ہے، اس کا کلام زندگی اور محبت کی نوید ہے، وہ صرف سب کا بننا اور اپنا بنانا جانتا ہے، اس کا وجود سود و زیاں سے بے نیاز خالص پیار سے عبارت ہے، وہ گرد و پیش کے کریہہ مناظر کو بھی مسکرا کر معصومیت سے دیکھتا ہے، اُس نے خود کو وہاں آویزاں کیا ہے جہاں نفرت کی پہنچ ہے ہی نہیں۔ اس پاکیزہ اور ضوبار شاعر نے محبت کو چُنا اور اسی کا ہو کے رہ گیا:-

مجھ میں تھوڑی سی جگہ بھی نہیں نفرت کے لیے
میں تو ہر وقت محبت سے بھرا رہتا ہوں!

اطہر اپنے زمانے کے جوانوں کا نمائندہ اور سنجیدہ شاعر ہے، وہ حالات کو سرسری نہیں دیکھتا بلکہ ٹھہر کر دیکھتا اور سمجھتا بھی ہے، وہ سیاہ صورت سچائیوں سے منہ موڑتا نہیں بلکہ ان کی آنکھوں میں اُتر کر انہیں روشنی بخشتا ہے اور اس عمل میں خود کو ہارنے کی بھی پرواہ نہیں کرتا، وہ جس ماحول سے بھی گزرتا ہے اپنا رنگِ فطرت اور زاویۂ فکر چھوڑ جاتا ہے، اس کے قدموں کی دھول سے آگہی کی کہکشاں بنتی ہے.....محبت کی داستاں بنتی ہے اور اس کا ریزہ ریزہ وجود رہروانِ شوق کے لیے منزل کا پتا بن جاتا ہے:

کچھ اس طرح سے اڑی ہے مرے وجود کی گرد
کہ کہکشاں سی بناتا ہوا چلا گیا میں
فلک سے تا بہ زمیں پھر زمیں سے تا بہ فلک
غبار اپنا اڑاتا ہوا چلا گیا میں

اطہر ضیا جتنا اچھا شاعر ہے اس سے زیادہ پیارا انسان ہے، خوش شکل، خوش لباس، نرم خو، پست آواز، ملنسار، نہ ماتھے پہ تیوری نہ چہرے پہ سلوٹ، متین اور سنجیدہ، زندہ دل اور دلدار، آنکھوں میں زندگی کی چمک، ہونٹوں پہ سب کے لیے دعا، مخلص شوہر، شفیق باپ، صلح پسند اور محبت ریز شخص جس کو دیکھ کر صرف پیار آتا ہے۔ اس کے کئی شعر الہامی سے لگتے ہیں، ایسا لگتا ہے جیسے مسافر جلدی میں ہے اور تھوڑے سے وقت میں

اس کو بہت کام کرنے ہیں:

خود کو لٹا رہوں ہوں یہی سوچ کر ابھی
پھر اس کے بعد خود کو میسر نہ آؤں گا
ابھی تو روح کو سیراب کرنا باقی تھا
ابھی تو ٹھیک سے لب بھی نہیں تھے بھیگے مرے
مسافر جا چکا لمبے سفر پر . . .
ابھی تک دھوپ آنکھیں مل رہی ہے

میں نہیں جانتا مستقبل ان اشعار کو کیسے پڑھے گا اور کیا تشریح کرے گا میری دعا تو بس اتنی ہے کہ پیارا اطہر بہت جیے اور جلد اس کا دوسرا مجموعہ منظر عام پر آئے۔

فیصل لیاقت علی، اسلام آباد (پاکستان)

اطہر کا تخلیقی عمل تجرباتی اور مشاہداتی بحرِ بے کنار سے ابھرتے شعور و آگہی کا فن ہے۔ معاشرتی استبدادیت اور معاشی استحصال فکری گوشوں کو جب انگیخت کرتا ہے تو وہ خواب دیکھنے لگتا ہے اور اپنے انہی خوابوں کو شاعری کے قالب میں ڈھال دیتا ہے، آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ خواب ہر آنکھ کا نصیب نہیں ہوتے، جن آنکھوں میں روشن مستقبل ہو اُن آنکھوں کے خواب بھی انقلاب آور ہوتے ہیں۔ اطہر بھی خواب دیکھتا ہے، اس کی آنکھوں کے دیدبانوں میں کچھ ایسے خواب سجے ہوئے ہیں جو اس کے سامنے دور تک پھیلے ہوئے امکانات کے دیے بجھنے نہیں دیتے۔

مجھے پوری امید ہے کہ اطہر اسی جاں سوزی سے اپنے خوابوں کو شاعری کی زبان میں بیان کرتا رہے گا۔

حسن عبدالکریم چوگلے (سرپرستِ اعلیٰ انجمن محبانِ اردو ہند، قطر)

یوں تو دوحہ قطر کی ادبی فضا ہمیشہ سے ہی بارونق اور بھرپور رہی ہے، لیکن پچھلے دس بارہ سالوں میں یہاں کے ادبی اُفق پر ایسے آفتاب و ماہتاب نے دستک دی کہ جنھوں نے اپنے فن کی بلندی اور فکر کی ندرت اور لفظوں کو برتنے میں اپنا لوہا منوایا۔ ان شاعروں اور ادیبوں میں ایک اہم نام اطہر ضیار کا ہے۔ حالانکہ دوحہ میں ان کا قیام بہت طویل نہ رہ سکا وہ ایک موذی مرض کا شکار ہوکر اپنے وطن واپس چلے گئے، لیکن چند سالوں میں وہ اپنے ایسے ادبی اَنمٹ نقوش چھوڑ گئے ہیں جو صدیوں تلک روشن رہیں گے۔ خوش آئند ہے کہ جناب عزیز نبیلؔ ان کے مجموعۂ کلام پر کام کر رہے ہیں ۔ میں اللہ تعالیٰ سے اطہر ضیار کی صحت کی لیے دعا گو ہوں اللہ تعالیٰ اپنے کرم اور فضل کا معاملہ فرمائے اور انہیں صحت و عافیت سے نوازے۔

شکیل احمد صبرحدی (بانی، مجلس فخرِ بحرین برائے فروغِ اردو)

مرزا اطہر ضیار کی شاعری گاہے بگاہے سوشل میڈیا کے توسط سے نظر نواز ہوتی رہی۔ مجھے بہت اچھا لگا کہ ایک نوجوان شاعر اپنے وطن سے دور تلاشِ معاش کی مصروفیات میں سے وقت نکال کر شعر و ادب کے کام میں بھی مصروف ہے اور کم عمری میں کافی بہتر شاعری کر رہا ہے۔ عزیز نبیل نے بتایا کہ اطہر ضیار کا پہلا مجموعہ شائع ہو رہا ہے تو بہت خوشی ہوئی، میری نیک خواہشات اور تمنائیں ساتھ ہیں۔

صبیح بخاری (سرپرستِ اعلیٰ بزمِ اردو قطر)

مرزا اطہر ضیار ایک نوجوان اور خوبرو شاعر۔ قطر کی اکثر شعری محفلوں میں اپنی شاعری کے منفرد اور معتبر انداز سے ذہن و دل کو منور کرتا رہا ہے۔ ایک نوجوان شاعر کا اتنا عمدہ، نفیس اور دل کو چھو لینے والا کلام نہ صرف دوحہ قطر بلکہ تمام اردو دنیا کے لیے

نیک فال ہے۔ میری نیک تمنائیں اور دعائیں اِس نو جوان کے ساتھ ہیں اور امید کرتا ہوں کہ اس کا مجموعہ کلام قبولِ عام حاصل کرے گا۔

ابراہیم خان کمال (بانی، انجمن محبانِ اردو ہند قطر)

جب سے اطہر ضیار نے انجمن کی نشستوں میں آنا جانا شروع کیا اور انجمن کے رابطہ سکریٹری کا عہدہ سنبھالا میں نے پایا کہ وہ ایک بہت ہی مخلص، باادب، دیدہ زیب اور نفیس شخصیت کے مالک ہیں۔ میں نے محسوس کیا کہ وقت کے ساتھ ساتھ ان کی شاعری بہت تیزی کے ساتھ ترقی کرتی ہوئی بہتر سے بہتر ہوتی گئی۔ ان کی شاعری موضوعات کی حد تک روایت سے ہٹ کر ضرور ہے لیکن شاعری کے رموز اور فن کی روایات کا پورا خیال رکھتے ہیں۔ مجھے قوی امید ہے کہ اپنی خوبصورت اور دلنشین شاعری کے ذریعہ ان کا مجموعہ اردو ادب میں ایک اہم مقام حاصل کرے گا۔

خالد داد خان (صدر، انجمن محبانِ اردو ہند، قطر)

نفیس قسم کے سفید کوٹ زیب تن کئے ہوئے ایک سنجیدہ اور نو جوان شاعر کو عزیز نبیل نے جب انجمن محبان اردو ہند قطر کی ایک میٹنگ میں متعارف کرایا تو سان و گمان میں نہیں تھا کہ وہ نہ صرف دنیائے شاعری میں ترقی کی منزلیں اتنی جلدی طے کر لے گا بلکہ اہل انجمن کے دلوں میں بھی اپنا مقام بنانے میں اتنی قلیل مدت میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس کی محبوبیت کی وجہ اس کا اعلی اور عمدہ اخلاق تو تھا ہی اس کی سنجیدہ مزاجی بھی انجمن کے مزاج و معیار سے مطابقت رکھتی تھی، بلا کا ذہین شخص اور بہت عمدہ شاعری کرنے والا۔ تصویری کشی سے دلچسپی رکھنے کی وجہ سے انجمن کی تاریخ کا محافظ بھی۔ اس کی عمدہ اور دل پر فوری اثر کرنے والی شاعری کا میں شروع سے ہی دلدادہ ہوں۔

ندیم ماہر (نائب صدر، انجمن محبانِ اردو ہند قطر)

عام تاثر یہ پایا جاتا ہے کہ فن اور فنکار میں مماثلت کم ہوتی ہے، ایسا شاذ ہی ہوتا ہے کہ فن کار کو آپ اس کے فن کے آئینے میں دیکھیں اور وہ بھرپور مل جائے۔اس پر مزید کچھ لوگوں کا ماننا ہے کہ شعر گوئی کے لیے مشق اور عمر دونوں کافی ووافی درکار ہیں۔اگر اس فکر کی نفی عملی طور پر اگر کسی شاعر کے کلام اور اس کی زندگی میں ہے تو یقیناً ایسا شاعر، ایسا فنکار ذہن ودل پر دستک ضرور دے جاتا ہے، اور اس کا لہجہ چونکاتا ضرور ہے۔

اطہر ضیا، ایک نفیس،خوش لباس،خوش اخلاق،خندہ لہجہ،چھریرے بدن کا وجیہ نوجوان، اچھوتے موضوعات کو خوبصورت لفظوں کے پیکر میں تراشنے کا ہنر جاننے والا شاعر ہے۔کم گو لیکن خاموش نگاہوں سے وہ ذہانت بھری گفتگو کرتا کہ مخاطب متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

دوستوں کا دوست، ہمہ وقت کیمرے میں تمام دنیا کے مناظر ومشاہدات کو قید کر لینے کی دھن، تجربات کو سمیٹ کر اور وقت کی انگلی پکڑ کر چلنے کا ہنر اس نے شاید بچپن ہی سے سیکھ لیا تھا یا قدرت نے اسے ودیعت کیا تھا۔ وہ ہمیشہ گلے میں کیمرہ ڈالے رہتا جب بھی کسی پروگرام میں حصہ لیتا ایسا لگتا تھا کہ وہ صرف تصویر کشی کے لیے آیا ہے، حالانکہ بہترین شاعر تھا، لیکن طبیعت میں بلا کی سادگی تھی۔مطالعہ کا شوق گفتگو میں اس کے علم اور اس کی معلومات کے استحضار کا پتہ دیتا تھا۔

حقیقی دنیا میں منظر کشی پر اسے ملکہ حاصل تھا، وہ ایسے ایسے مناظر کیمرے میں قید کرتا کہ دیکھنے والا داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔نیچر سے گفتگو کرتی ہوئی تصاویر پر ایسا گماں ہوتا تھا کہ (Silent Poetry) ہے۔اس کے قلم میں شاعری اور انگلیوں کی کلک میں تصاویر قید کرنا قدرت کا عطیہ تھا، یہ امتیاز مشکل ہے کہ اس کی بولتی شاعری زیادہ اہم ہے یا تصویروں کے ذریعہ خاموش شاعری۔خود اسی کی زبانی سنئے

بدن کا سارا لہو انگلیوں سے رِسنے لگا
میں آج نقش تمہارے بنانے والا تھا

وہ کم عمری میں ہی فن کی اس بلندی کو پہنچا جو کسی عام ادیب یا شاعر کے لیے کسی خواب سے کم نہیں ہوتا۔ ڈھلے ہوئے عام الفاظ، فریش اور جھنجھوڑ دینے والی تراکیب کا استعمال، لفظوں سے پینٹنگ کرنا، رنگوں کی طرح الفاظ کو کینوس پر بکھیر دینا اطہر ضیار نے یہ سارے کام اپنی شاعری میں بآسانی سے کیے ہیں۔

احمد اشفاق (جنرل سکریٹری، بزمِ اردو قطر)

منزلیں اور کسی سمت تھیں میری اطہر
اور میں دوسری سمتوں میں سفر کرتا گیا

قطر میں یوں تو بے شمار شعرا و ادبا نے اپنی موجودگی درج کرائی مگر وہ چند ہی لوگ رہے جن کا نام یا تو یاد رہ گیا یا پھر لوگوں کے محبوب رہے، انہی چند شعرا میں ایک اہم نام اطہر ضیا کا ہے جس نے دوحہ میں بہت کم مشاعروں اور ادبی نشستوں میں شرکت کر کے بہت زیادہ مقبولیت پائی اور شعرا ادبا اور ادب نوازوں میں محبوب رہا۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک شام عزیز نبیل نے مجھ سے کہا کہ یار ایک شاعر کا پتہ چلا ہے، اس سے آج ملاقات کے لیے چلنا ہے سو میں بھی ساتھ ہولیا۔ وہ بانکا نوجوان کوئی اور نہیں اطہر ضیار تھا، چھریرا بدن اور خاموش نگاہیں جس میں بلا کی سنجیدگی جس نے پہلی ہی فرصت میں اپنی مقناطیسی شخصیت سے ہم لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا ڈالا تھا، نبیل اس سے مختلف قسم کے سوالات کئے جا رہے تھے جس کا جواب بڑی ہی خندہ پیشانی سے وہ دئے جا رہا تھا اور نبیل بزرگوں کی طرح شفقت بھری نگاہوں سے اسے دیکھتا جا رہا تھا۔ نبیل نے اطہر سے اس کی ڈائری مانگی اور اس کی ورق گردانی کرنے لگا، پھر یوں ہوا کہ گفتگو کا طویل سلسلہ چل نکلا اور اگلی ملاقات کے وعدہ کر کے دیر رات ہم

لوگ اس سے رخصت ہوئے، جدید لب ولہجہ کے امکانات سے پُر اسکی شاعری سے ہم لوگ بے حد متاثر ہوئے اور پھر کیا تھا کہ وہ ہم لوگوں کے حلقہ یاراں میں شامل ہو گیا اور مشاعروں اور نشستوں میں اپنے مخصوص لب ولہجہ کی شاعری سے اس نے اپنی شناخت بنالی۔

اب کہاں ڈھونڈنے جائے گا بیاباں اے دوست
آ مرے سینے سے لگ اور اتر جا مجھ میں
سوکھنے لگتا ہوں میں تجھ سے جدا ہوتے ہی
جب تلک ساتھ رہوں تیرے ہرا رہتا ہوں

اطہر بہت ہی صاف ستھری ذہنیت کا تھا بلا امتیاز تمام تنظیموں کے پروگرامس کی تصویر کشی کرتا اور بڑے خلوص سے فیس بک پر شئیر کرتا۔ میری دعوت پر بزم اردو قطر کے مشاعروں میں بطور خاص شریک ہو۔

عزیز نبیل نے اس کے شعری مجموعہ کی ترتیب کا ذمہ لے کر نہ صرف ادب نوازی بلکہ دوستی کا بھی حق ادا کیا ہے، مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب اردو دنیا میں اپنی شناخت بنانے میں کامیاب ہوگی اور مقبولیت کی بلندیوں کو پہنچے گی۔

محمد شاہد خان (جنرل سکریٹری، کاروان اردو قطر)

اطہر ضیا سے میری ملاقات کبھی نہیں ہوئی لیکن ان کی شاعری جب جب بھی میری نظر سے گزری، دل میں اترتی چلی گئی، اطہر ضیا ایک ایسا شاعر ہے جس کی شاعری پوری قوت کے ساتھ اپنی طرف متوجہ کرتی ہے، اس کا سفرِ ذات آپ کو اپنی زندگی کا سفر نامہ محسوس ہوگا، زندگی کے مختلف مراحل میں، زمانے کا اتار چڑھاؤ اس کی شاعری میں واضح طور پر محسوس ہوتا ہے، اس کی شاعری میں مختلف موضوعات ہیں۔ وہ اتنا تیز رو ہے کہ اسے لامکاں سے آگے نکل جانے کا خوف لاحق ہو جاتا ہے، اسی لیے وہ اپنی

ذات میں ٹھہر جانا چاہتا ہے، بعض تعبیرات ولفظیات بالکل نئی ہیں، ناممکن ہے کہ اس کے اشعار پڑھ کر آپ کچھ دیر کو نہ ٹھہر جائیں، اس کا ہر شعر ایک عنوان ہے:

مجھ میں تھوڑی سی جگہ بھی نہیں نفرت کیلیے
میں تو ہر وقت محبت سے بھرا رہتا ہوں

ڈھونڈھ ہی لیتے ہیں ہنسنے کا بہانہ کوئی
زیر تجھ سے کبھی ہم گردش دوراں ہوئے ہیں؟

ایسے مایوس ہو کے مت بیٹھو
مل کے رستہ نکالا جائے گا

جو روشنی کی تمنا ہے ساتھ چلتے رہیں
ہمیں پتا ہے کہ سورج کہاں سے نکلے گا

غرض اطہر ضیا کی شاعری ہمہ جہت ہے جسے کسی مختصر سے مضمون میں سمیٹنا ناممکن ہے، اطہر ضیا کے شعری سفر میں اس کے رجحانات کا بخوبی پتہ چلتا ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ وہ ایک اچھا انسان ہے، اس کے سینے میں ایک حساس دل ہے جو زمانے کے نشیب وفراز سے ہر لمحہ متاثر ہوتا ہے۔ اس کی شاعری پڑھتے وقت مجھے کئی بار یہ احساس ہوا کہ جیسے وہ قضاوقدر کے فیصلوں کو جانتا ہو اور کاتب تقدیر نے اس کے ہاتھ میں قلم پکڑا دیا ہو کہ وہ اپنے آنے والے کل کو خود سے رقم کر لے، اور بارہا میرا دل بھر آیا کہ کاش خدا اس جواں سال شاعر کو زندگی کے کچھ ماہ وسال اور نصیب کر دیتا تو دنیا کو اس کی ذات اور شاعری سے استفادہ کا مزید موقع مل جاتا ان اشعار کو پڑھیے آپ کو خود اندازہ ہو جائے گا کہ شاعر غیبی احساس کے کس منزل پر ہے

خود کو لٹا رہا ہوں یہی سوچ کر ابھی
پھر اس کے بعد خود کو میسر نہ آؤں گا

اب نہیں ڈھونا مجھے اور یہ زنجیر وجود
آج آزاد کیا جائے مری مٹی کو

قیصر مسعود، دوحہ قطر

اطہر ضیا رنو جوان شعرا کی اس نسل سے تعلق رکھتا ہے جو بنے بنائے راستوں پر چلنے کے بجائے اپنا راستہ خود بناتے ہیں اور نئی نئی منزلوں کی جستجو میں مگن رہتے ہیں۔ اُس نے جس راستے کا انتخاب کیا ہے اسے بڑی محنت سے ہموار کرتا ہے اور پھر اس پر بڑی سہولت سے سفر کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کی شاعری تازگی اور ندرت فکر کا شاہکار ہے۔

اطہر کی شاعری پر کسی شاعر کے بجائے روحِ عصر کی چھاپ نظر آتی ہے۔ وہ لاشعوری طور پر ترقی پسند تحریک سے متاثر نظر آتا ہے لیکن اس کے موضوعات جدید رنگ و آہنگ اور سماجی رومانیت سے لبریز ہیں۔ اطہر ضیار جیسے شعرار کو پڑھ کر اردو غزل کے تابناک مستقبل کے حوالے سے ہمارا ایمان مزید مضبوط ہو جاتا ہے۔

آصف شفیع، دوحہ قطر

اطہر ضیا کی شاعری نہ صرف اس عہد کا منظر نامہ ہے بلکہ آئندہ نسلوں کے خوابوں کی تعبیر بھی اس کے پس منظر میں اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ دکھائی دیتی ہے۔ ان کی شاعری فنی اور موضوعاتی ہر دو اعتبار سے اعلی اقدار کی حامل نظر آتی ہے۔ ان کے اشعار میں زندگی کی وہ تمام نیرنگیاں اور رنگینیاں موجود ہیں جو ایک جاندار اور متحرک شاعری کا خاصہ ہوتی ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے عہد اور معاشرے کو درپیش ان تمام مسائل اور مصائب سے بخوبی آگاہ نظر آتے ہیں جو انسانی زندگی کا جزولاینفک ہیں۔ انہوں نے زندگی کے اتار چڑھاؤ کو جس قدر قریب سے دیکھا ہے اس کا عکس ہو بہو ان کی شاعری میں نظر آتا ہے۔ مگر ان کے ہاں قنوطیت کی بجائے رجائیت کا عنصر

نمایاں ہے۔ انہیں اس بات کا ادراک بھی ہے کہ منزل کے حصول کے لیے انسان کو کس قدر مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑتا ہے مگر وہ ان حالات میں بھی عزمِ صمیم اور یقینِ محکم کی عملی تصویر بنے نظر آتے ہیں۔

یہ جو ہریالی خد وخال میں ہے
زہر نس نس میں اتارا ہے میاں

علاوہ ازیں اطہر ضیا کی شاعری میں جو شیرینی، چاشنی اور بے ساختگی پائی جاتی ہے اس نے ان کی شاعری کو پُر تاثیر اور اثر انگیز بنا دیا ہے۔ ان کے اشعار نہ صرف پڑھنے والے کے دل کو لبھاتے ہیں بلکہ اس کے دل پر ایک خاموش سی دستک بھی ضرور دیتے ہیں کہ جس کے ارتعاش کی لہریں انسان دیر تک اپنے اردگرد محسوس کرتا ہے۔ اطہر ضیا کی شاعری میں موجود انہی خوبیوں کی بنا پر یہ بات بلا خوف و تردید کہی جا سکتی ہیں کہ ان کی شاعری آئندہ نسلوں کے دلوں کو بھی اپنی پوری آب و تاب سے منور کرتی رہے گی۔ آخر میں ایک بات ضرور کہوں گا کہ اطہر ان چند خوش قسمت تخلیق کاروں میں شامل ہیں جنہیں لمحہ، حیرت دیکھنا نصیب ہوتا ہے اور شاید یہی شاعری کی معراج بھی ہے۔

مسافتیں کئی صدیوں کی طے ہوئیں اس میں
وہ ایک لمحۂ حیرت جو میرے ہاتھ میں تھا

نیاز احمد اعظمی، دوحہ، قطر

وہ بذات خود اطہر ہے اور سراپا مجسم ہے ضیاؤں کا، مہر و وفا، صدق و صفا، جود و سخا، ایثار و قربانی اور عنایت و مہربانی کا۔ اسم با مسمی اطہر ضیا، یعنی پاکیزہ ترین روشنی۔ یہ پاکیزہ و طاہر ضیائیں جب محفل شعر و سخن اور جہان علم و ادب کی آفاقی فضاؤں کا قصد کرتی ہیں تو پہلو دَر پہلو ہفت رنگی نہیں بلکہ ہزار رنگی کہکشائیں اور قوس قزح نمودار ہوتی

ہیں جہاں اطہر ضیار "غبار اپنا اڑاتے ہوئے چلا گیا میں" کا منظر پیش کرتے ہیں۔ یہ دل نواز منظر شائقین علم وادب، عاشقین شعر وسخن اور ماہرین دست وہنر کو فقط لبھاتا ہی نہیں محو حیرت بھی کر دیتا ہے۔ بلاشبہ وہ اپنے رنگ میں آ گئے ہیں "پھر اپنے رنگ میں آتا ہوا چلا گیا میں" کے مصداق اپنی منفرد شناخت قائم کر چکے ہیں۔

اطہر ضیار نے دنیا کی زندگی کو اپنے خاص منفرد زاویے سے دیکھا، پرکھا اور ہمیں روشناس کیا ہے۔ ان کے متعدد اشعار جگ بیتی سے زیادہ ان کی اپنی آپ بیتی کی سچی تصویر کشی کرتے ہیں جنہیں پڑھ کر آنکھیں پرنم، قلب پر درد اور روح پرسوز ہو جاتی ہے۔

"ابھی تو روح کو سیراب کرنا باقی تھا
ابھی تو ٹھیک سے لب بھی نہیں ہیں بھیگے مرے"

سہیم احمد اعظمی، دوحہ قطر

سوکھنے لگتا ہوں میں تجھ سے جدا ہوتے ہی
جب تلک ساتھ رہوں تیرے ہرا رہتا ہوں

زندگی کبھی کبھی ہمیں ایسے ناشناسا افراد سے ملاتی ہے جن سے ہمارا پہلے سے کوئی ربط تو نہیں ہوتا لیکن آہستہ آہستہ ان سے اتنا گہرا تعلق استوار ہو جاتا ہے کہ اس کے سامنے خونی رشتہ بھی پھیکا پڑ جاتا ہے۔ اللہ کا بڑا فضل وکرم ہے کہ مجھے ایسے سچے دوست سے ملایا جو میری زندگی کا لازمی جزء بن گیا۔ سب کے دکھ سکھ میں شریک ہونا، ضرورت مندوں کی مدد کرنا، ایثار، قربانی، محبت، وفا اور خلوص گویا اطہر ضیار کی سرشت اور خون میں شامل تھے۔ جو لوگ بھی اطہر کو جانتے ہیں وہ میری بات کی تصدیق کریں گے بلکہ انہیں شکایت ہوگی کہ میں نے اطہر کی اس خوبی کے متعلق بہت کم لکھا ہے۔

۲۰۱۰ء میں میں نے اسی کمپنی میں ملازمت شروع کی جس میں اطہر پہلے سے تھے اور اللہ کا شکر ہے کہ اطہر اور سلمان جیسے دوست میرے روم فیلو ہوئے۔ ایک دن اتفاق

سے مجھے اطہر کے پاس سے ایک ڈائری ملی جس میں بہت ساری غزلیں اور نظمیں تھیں۔ ہمارے دریافت کرنے پر اطہر نے بتایا کہ یہ سب اس کا اپنا کلام ہے۔ یہ سن کر ہم سب محوِ حیرت رہ گئے۔ عمدہ کلام، اردو عربی فارسی زبان پر زبردست گرفت، شعر و ادب کے اس چھپے رستم کا مقام تو بہت بلند ہے۔ اسی دن مجھے اور سلمان کو یقین ہو گیا کہ قلم کا یہ شہسوار ایک دن شہرت کی بلندی کو پہونچے گا۔

کچھ ذاتی مسائل کی بنا پر مجھے صرف چار مہینے میں ہی قطر سے واپس جانا پڑا لیکن پھر ۲۰۱۲ء میں واپس اسی کمپنی میں دوبارہ بسلسلہ روزگار آنا ہوا۔ اس مرتبہ یہ دیکھ کر کافی مسرت ہوئی کہ محترم عزیز نبیل کی نگاہ دور بین اطہر ضیار پر پڑ چکی ہے۔ ان کی توجہ سے ہمارے دوست اطہر ضیار قطر کی معروف و مشہور اور اہم اردو ادبی تنظیم (انجمن محبان اردو ہند قطر) سے منسلک ہو گئے ہیں اور ان کے اندر علم و ادب کی جو صلاحیت تھی وہ خوب پروان چڑھ رہی ہے اور شائقین ادب اس کے کلام سے محظوظ ہو رہے ہیں۔ اس خلوص اور محبت کے لیے جناب عزیز نبیل کی اس بے لوث محبت کا شکریہ ادا کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ اطہر ضیار کو فوٹو گرافی کا جنون کی حد تک شوق ہے۔ وہ بہت ہی عمدہ فوٹو گرافی کرتے ہیں۔ ان کی عدم موجودگی میں محفل ادھوری لگتی ہے۔

اطہر کو اپنی شاعری کے ابتدائی دنوں میں کہی ہوئی نظم سفر بہت پسند ہے کیونکہ یہ نظم اس کی والدہ کو بہت پسند ہے۔ اس کا پہلا بند کچھ اس طرح سے ہے۔

چند پیسوں کی خواہش میں نکلا تھا میں
اپنے گھر گاؤں کو تو نہ بھولا تھا میں
مجھ کو ماں باپ، پیپل، ندی یاد تھیط
جس میں بچپن کٹا وہ گلی یاد تھی

مجھ کو صدق کو صفا کے سبق یاد تھے
اور کتابِ وفا کے ورق یاد تھے

سلمان احمد، دوحہ قطر

میں ۲۰۰۹ء میں قطر آیا، ابتدائی چند مہینے اکیلے پن میں گزارا کیونکہ یہاں میرا کوئی جاننے والا نہ تھا۔ مجھے ایک اچھے دوست کی تلاش تھی۔ ایک شام آفس سے واپس لوٹا تو مجھے یہ جان بڑی خوشی ہوئی کہ میرا ایک روم پارٹنر آیا ہے اور وہ کوئی اور نہیں اطہر ضیاء تھے۔ ویسے تو ہم دونوں دور کے رشتہ دار بھی ہیں پھر ساتھ ساتھ رہتے رہتے بھائی جیسے ہو گئے تھے۔ ساتھ میں رہنا سہنا یہاں تک کھانا بنانا کھانا بھی رہا۔ اطہر سے ملاقات سے پہلے مجھے شعر و شاعری سے کوئی خاص دل چسپی نہ تھی ہاں اردو سے محبت تھی۔ اطہر کی زبانی عمدہ اشعار سنتے سنتے مجھے بھی دھیرے دھیرے شعر و شاعری اچھی لگنے لگی۔ ایک دن معلوم ہوا کہ یہ جو اچھے اچھے کلام ہم اطہر سے سنتے ہیں وہ کسی مشہور شاعر کے نہیں بلکہ بذات خود اطہر کے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس قدر نمائش سے بچنے والا اور واہ واہی سے دور رہنے والا شخص ہے۔ ہمارے گروپ کے تیسرے دوست سہیم بھی ہمارے ساتھ تھے۔ ہم برابر اطہر سے کہتے رہتے کہ مشاعروں میں کیوں نہیں حصہ لیتے اور اپنا کلام کیوں نہیں کتابی شکل میں شائع کرتے۔ کیوں کہ ہمیں یقین تھا کہ اس کا کلام کسی بڑے شاعر سے کم نہیں ہے۔ میں اپنے پسندیدہ شاعر علامہ اقبال کے فارسی الفاظ سے پر کلام کو سمجھنے کے لئے اطہر کا بہت شکر گزار ہوں اور ہمیشہ رہوں گا۔

• • •

ڈھونڈتا ہے کوئی رستہ مرے آئینے میں
قید اک شخص ہے مجھ سا مرے آئینے میں

کھینچ لے تجھ کو نہ آئینے کے اندر کا طلسم
غور سے دیکھ نہ اتنا مرے آئینے میں

میں ہی آئینۂ دنیا میں چلا آیا ہوں
یا چلی آئی ہے دنیا مرے آئینے میں

Abjad-e-Ishque
by Mirza Athar 'Zeya'

GREEN PAGES
30-A, Bharat Nagar, NFC, New Delhi

Contact: 36/II, Jaipuria Enclave, Kaushambi
Ghaziabad, Uttar Pradesh - 201010, India
Email: greenpagesdelhi@hotmail.com, Ph: 0120-4318700